احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 97 | 23 ذوالقعدۃ تا 24 ذی الحجہ 1431 ہجری - یکم تا 30 نومبر 2010ء | شمارہ نمبر 22-21

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جماعت کو نصیحت

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔ مبارک تم جبکہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھریوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ اور ازخود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم، رحیم، حیا والا، صادق، وفادار، عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔

دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارقِ عادت نعمت دی جائے گی۔ دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جاں تم سے نزدیک ہے۔ دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔

(''اسلام'' لیکچر سیالکوٹ صفحہ نمبر 27-26)

آئینہ حق نما

ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اس پاک نبی محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعے سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے۔اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے خدا کو ہمیں دکھلایا اور ایسے خدا کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر چیز کو بنایا اور اس کی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جس کے بغیر کسی چیز نے نقش وجود نہیں پکڑا۔اور جس کے سہارے کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی وہ ہمارا سچا خدا بے شمار برکتوں والا ہے قدرتوں والا اور بے شمار حسن والا اور احسان والا اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ (نسیم دعوت صفحہ نمبر 1)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہل میں انسانیت کے لئے ایک عمدہ نمونہ

خطبہ عیدالاضحیٰ فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 17 نومبر 2010ء ، بمقام جامع دارالسلام، لاہور (پاکستان)

میں نے آپ کے سامنے سورۃ الانعام کی دو آیات ۱۶۳ اور ۱۶۴ تلاوت کی ہیں ان کا ترجمہ ہے:

ترجمہ: **''کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں''۔**

آج ہم سب عیدالاضحیٰ کی تقریب منانے کے لئے اس مسجد میں جمع ہیں اور اس ٹرانسمیشن کے ذریعہ دنیا میں بھی بہت سے لوگ اس کو سننے کے لئے شامل ہیں ۔عیدالاضحیٰ کا نام جو ہر انسان کے ذہن میں قربانی کے ہم معنی بن گیا ہے اور قربانی بھی ایک جانور کی قربانی اور اس لئے اس کو عید قربان یا قربانی کی عید بھی لوگ کہتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا تصور اس عید کے بارے میں یہی ہے کہ ایک جانور اگر اس کا خرچ آپ برداشت کر سکتے ہیں یا آپ نے چھوٹا لے کر پال لیا ہو تو اس دن اس جانور کو نماز کے بعد قربان کر دیا تو عید قربان کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کا تصور ہے کہ اس قربانی دینے کی ایک ہی وجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں وہ قربانی یاد آجاتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا مکمل ارادہ کر لیا اور وہ قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی اور وہ ٹل گئی اور اس کی جگہ ایک جانور ذبح ہو گیا۔ اس طرح یہ رسم کہ آپ جانور کو ذبح کر دو بنی۔ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا مکمل ارادہ کیا لیکن قرآن کی کوئی آیت یہ ثابت نہیں کرتی کہ اس کے آگے مینڈھا آ گیا اور وہ کٹ گیا۔ خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ بہت عظیم قربانی ہے جو اللہ نے قبول کر لی اور جو مقصد ہے اس کو اللہ نے قبول فرما لیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس قربانی کو دینے کو تیار ہو گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی قربان ہونے کو تیار ہو گئے ۔ دونوں کی رضامندی قرآن سے ثابت ہے اور آج کے دن ہم اس قربانی کی یاد تازہ کر رہے ہیں لیکن صرف اور صرف یہ سوچ لینا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی میں یہی ایک قربانی دی جس کی ہم یاد تازہ کر رہے ہیں درست نہیں۔ اُن کی زندگی قربانیوں سے بھری پڑی ہے ان کا بچپن قربانیاں دیتے گذرا، جوانی قربانی دیتے گذری، بڑھاپا قربانی دیتے گذرا، اور جب وہ فوت ہوئے ۱۷۵ سال کی عمر پا کر اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں بالکل اطاعت کی زندگی گذارتے رہے۔

آج کا دن صرف مینڈھا ذبح کر لینے کے لئے نہیں۔ آج کا دن اپنے دلوں میں اُن قربانیوں کو جو نہ صرف حضرت ابرہیم علیہ السلام نے دیں بلکہ جو قربانی حضرت حاجرہ نے دی اور حضرت اسماعیل نے دیں یہ بھی آج یاد کرنے کا دن بھی ہے۔ اس لئے آج اللہ کے حکم کے مطابق رسول کریم صلعم کی سنت کے مطابق آج

ہم یہ دن منا رہے ہیں اور ہم آج یہ تہیہ کرنے کے لئے یہاں جمع ہیں کہ جو استقامت اور جو خدا تعالیٰ کی اطاعت حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے نمونہ کے ذریعہ دی اس نمونہ پر پوری طرح چلنے کی کوشش اور ارادہ کریں۔قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی ۱۳۱ آیت میں آتا ہے کہ **"خدا کا فرمانبردار ہوجا"** تو بغیر سوچے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جواب دیا **"میں اپنے رب العالمین کا فرمانبردار ہوگیا"** اب جب یہ آیت قرآن کریم میں لکھی جاتی ہے **واذقال له ربه اسلم** کے بعد **لا** لکھا ہوا ہے اور **لا** کے بعد لکھا ہوا ہے **قال اسلمت لرب العلمین** یعنی ان دونوں کے درمیان رکنا نہیں تو میرے ذہن میں یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ وہ کیفیت انسان کے دماغ میں پیدا کرنے کے لئے یہاں پر **لا** لکھا گیا ہے اسی لئے خدا نے **اسلم** کہا انہوں نے فوراً **اسلمت لرب العلمین** کہا۔اسی میں ہمارے لئے سبق ہے کہ جس چیز میں رسول کریم صلعم کے ذریعہ ہمیں حکم پہنچایا ہوا س کو ہم بغیر سوچے کہ یوں کیا تو یوں ہوجائے گا یوں کیا تو یہ ہوجائے گا اس پر فوراً عمل کردینا چاہیے کیونکہ اگر عمل کرنے کی گھڑی گذر جائے تو پھر وہ موقع ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کو میں **والعصر** کی تفسیر میں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے وقت کی۔وہ اس وقت کی قسم اٹھائی ہے جہاں پر آپ نے بہت اہم فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں فرشتہ ایک چیز ڈالتا ہے لیکن شیطان اگر یہ ہوگیا تو وہ نقصان ہوجائے گا، دیر ہوجائے گی، وسوسے ڈالتا ہے اور اکثر انسانوں کو بہکانے میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے۔لیکن جو لوگ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ارادہ کرچکے ہوں اُن کو وہ بہکا نہیں سکتا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے یہ وعدہ کیا کہ **اسلمت لرب العلمین** رہوں گا تو اس کو انہوں نے خوب نبھایا اپنی تمام زندگی نبھایا۔جوانی میں جو مشکلات آئیں ان کا مقابلہ کیا، اپنی قوم اپنے قبیلے حتیٰ کہ اپنے والد کا حکم بھی نہ مانا اور خدا کی راہ میں ایک شرک سے بیزار ساری عمر کاٹی اور کبھی انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ والد ناراض نہ ہوجائے گا، مال و دولت چلی جائے گی۔اس دشمن قوم میں رہ کر جوان کو آگ سے ڈراتی جو اُن کو جلا دینے سے ڈراتی نہ انہوں نے آگ کی پرواہ کی اور نہ جل کے مرجانے کی پرواہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح اُن پر یہ آگ ٹھنڈی رکھی۔

۸۶ سال تک ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔آپ دیکھیں کوئی بے اولاد ہو اس کے دل میں کیا کیا غم نہیں ہوتا۔کونسی کونسی وہ منتیں نہیں مانگتا اور شریک ٹھہرا کر کن کن مزاروں پر وہ نہیں پہنچ جاتا۔۸۶ سال تک آپؑ اللہ سے نیک اولاد مانگتے رہے اور پھر اللہ نے آپؑ کو ایک صالح اولاد عطا فرمادی اور یہ بیٹا ابھی بچہ ہی ہے تو اس کو ریگستان میں چھوڑنے کا حکم ہوجاتا ہے بغیر سوچے سمجھے ایک ریگستان میں چھوڑ دینا پسند کیا اس حکم کو بجالائے۔اور جب وہ خود ۹۹ سال کے ہوئے اور حضرت اسماعیل ۱۳ سال کے ہوئے اور حکم ہوا کہ اب اس کو ذبح کردو اب ایک بوڑھے آدمی پر کیا گذرے گی۔کیا آزمائش ہے اس کے لئے۔جس کے لئے ساری عمر دعائیں کیں اب اس کے لئے حکم ہورہا ہے اس کو ذبح کردو۔اس لئے خدا تعالیٰ کی ان سب آزمائشوں میں سے یہ پاس ہوگئے نہ صرف حضرت ابرہیم علیہ السلام بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی کیونکہ اگر وہ نہ مانتے تو یہ معاملہ نہ قرآن میں آتا نہ بائبل میں آتا۔اگر حضرت حاجرہ نہ مانتیں تو یہ کبھی نہ ہوسکتا۔بلکہ انہوں نے کہا اگر یہ خدا کا حکم ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔اس سارے خاندان کا نمونہ ہے ہمارے لئے، سب بچوں، سب خواتین سب، ماؤں کے لئے اور سب حضرات کے لئے اس میں نمونہ ہے۔اور اس نمونہ کو قرآن نے اُسْوَہ۔ اُسْوَہ کا مطلب ہے ایک اچھا یا اعلیٰ نمونہ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے **"تمہارے لئے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے اچھا نمونہ ہے"** جب خدا تعالیٰ کہہ دے کہ اُن لوگوں میں آپ کے لئے اچھا نمونہ ہے تو پھر ہمارے اندر بھی کوئی فیصلہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اگر ہم آزمائے جائیں تو ہم کیا منتخب کرسکتے ہیں۔حضرت ابراہیم کے ساتھ اور ماننے والے تھے وہ بھی نیک لوگ تھے ان کا نمونہ بھی ہمارے پاس ہے لیکن ان تین زندگیوں نے اپنے نمونہ سے ثابت کیا کہ اُن کی نمازیں، اُن کی زندگی، اُن کی قربانیاں اور اُن کی آخرت اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس اولاد میں سے آئے اور آپ سب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بائبل کے مطابق فرمایا کہ **"اسماعیل کی اولادیں دنیا میں گنی ہی نہیں جاسکیں گی ان میں بادشاہ آئیں گے، ان میں نبی آئیں گے"** تو جب قربانی کا حکم آتا ہے تو نہ ان خوابوں پر شک آتا ہے

کہ اللہ تو نے کہا تھا اس کی اولادیں ہوں گی اور میں اس کو تیرہ سال پر ذبح کروں گا تو اولادیں کہاں سے آئیں گی۔ انہوں نے اپنا سر جھکا دیا اللہ کے ہر حکم کے لئے اور جو عہد کیا تھا اس کو نبھایا۔

میں اس خطبہ کے ذریعہ آپ سب کی توجہ میں اس عہد کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو ہم نے لے رکھا ہے کہ ''دین کو دنیا پر مقدم کریں گے'' ہم نے آج یہ سوچنا ہے کہ کیا جب ہمیں چھوٹے چھوٹے امتحان آجاتے ہیں تو کیا ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے لئے تیار ہوتے ہیں یا نہیں؟۔ اور اگر ہم تیار نہیں ہوتے اور ہمارے دلوں میں یہ کمزوری ہے کہ عہد ابھی زبان سے کیا ہے دل سے نہیں کیا۔ تو پھر وہی ذریعہ بنتا ہے جماعتیں کمزور ہونے کا وہی ذریعہ بنتا ہے انسان کے خود کمزور ہونے کا اور دل میں ڈر آجانے کا۔ آپ جب اپنے objective نصب العینسے اپنی آنکھ اٹھا لیتے ہیں تو اردگرد آپ کو دشمن ہی دشمن نظر آتے ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا حتیٰ کہ اس گول سے آپ کی آنکھ ہٹ جاتی ہے اور اللہ کی مدد اور اس کا یقین وہ سب ہم بھول بھلا جاتے ہیں۔ پھر ہم وہ ذریعہ ڈھونڈتے ہیں جو ہم کہتے ہیں دنیاوی ذریعے ہیں۔ ہمارے دل کے اندر بہت بڑا بت ہے جو ہمیں ڈراتا ہے جو ہمیں غلط غلط حکم دیتا ہے ہم اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں قرآن کی تعلیم کو بھلا دیتے ہیں احادیث میں جو تعلیم آئی ہم اس کو بھلا دیتے ہیں تو اُسی طرح جماعتیں کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس عہد کو آج یاد کرنے کا دن اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہیا کیا ہے کہ یہ مال چاہیے اللہ کو تو یہ اللہ کا دیا ہوا ہے، جان چاہیے اللہ کو تو یہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ اللہ کو جو چاہیے سب اُسی کی دی ہوئی چیز ہے جب وہ مانگے ہم اُس کو اللہ کے آگے پیش رکھیں گے اور ہم خطرات کو اپنے دلوں میں جگہ نہیں دیں گے۔

آج جب ہم قربانی کرنے نکلیں تو ایک جانور کی گردن پر چھری چلا دینا کتنا آسان ہے لیکن مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ جب تم خریدے ہوئے جانور کی گردن پر چھری چلاؤ تو یوں محسوس کرو کہ تمہارے اندر جو نفس عمارہ ہے (سب سے بڑا بت) اس پر آپ چھری چلا رہے ہو۔ وہ نفس جو ہمیشہ آپ کو بدی کی طرف راغب کرتا ہے آپ اس کی گردن پر چھری چلاؤ اور پھر ترقی کرو اور نفس لوامہ میں داخل ہو جاؤ وہاں ترقی کرو اور پھر نفس مطمنہ میں داخل ہو جاؤ۔

حکیم نورالدین صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ جو نفس عمارہ ہے یہ واحد بت ہے جتنے دنیا میں بت پوجے جاتے ہیں یہ ان میں سے واحد بت ہے جو حکم دیتا ہے یہ آپ کے اندر دوست بن کے رہتا ہے لیکن دشمنی کرتا ہے یہ آپ کے اندر ہر بُری چیز کو بہتر بنا کے دکھاتا ہے اس لئے اس سے آگاہی بہت ضروری ہے تاکہ اس بت کو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنے دل سے نکال لیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو اپنے اندر ڈال لیں اور یہ تب ہی ممکن ہوگا کہ ہم پورا پورا اس پر یقین کریں۔

مولانا محمد علی صاحب نوجوانوں کو مخاطب کر ایک پیغام دے رہے ہیں:

آپ نے عیدالاضحیٰ کے ایک خطبہ میں فرمایا ہے کہ ''نوجوانوں کے نام میرا پیغام''

''آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سن چکے ہو کہ وہ کیسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نوجوانوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نماز قائم کرنا بھی اللہ کا حکم ہے اس لئے جب کوئی اذان سنتا ہے اور مسجد کی طرف نماز قائم کرنے کے لئے نہیں چل پڑتا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ٹال رہا ہے۔ میری دعا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آج وہ اس دن ہمارے اس ارادے کو پورا کرے اور ہمیں عیدالاضحیٰ کی قربانی کے ساتھ اپنی خواہشات کی اپنے اندر کے جانور کی قربانی کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اندر کے جانور کی قربانی کرنا باہر کے جانور سے زیادہ مشکل ہے اس لئے ہم اُس کی مدد چاہتے ہیں کہ ہمیں وہ استقامت بخشے۔ کیونکہ آج ہم صرف اس جانور کو ذبح کرتے ہیں اور اندر کے بت والے جانور کو ذبح نہیں کرتے تو نہ ان کا گوشت اللہ کو پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ لیکن جو چیز اللہ کو پہنچتی ہے وہ تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان لوگوں میں آجائیں کہ ہماری قربانی قبول ہو جائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

اسلام کی نظر میں گذشتہ مذاہب کی حیثیت

خطبہ جمعہ فرمودہ ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب

مورخہ 5 نومبر 2010ء ، بمقام جامع دارالسلام، لاہور (پاکستان)

یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یوں ہے کہ ”جو ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو عیسائی ہیں اور جو سابعین ہیں جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان لوگوں کے لئے اجر ہے ان کے رب کی طرف ہے اور ان کے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غم کریں گے“۔ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہ عبارت آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سے مراد نجات ہے یا اللہ تعالیٰ سے قبولیت حاصل کرنا اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے کوئی خوف نہیں کیونکہ انہوں نے نیک اعمال کیے اور ان کے لئے کوئی غم کی بات نہیں کہ وہ یہ سوچیں کہ ہم کوئی ایسا عمل کرتے جو ہم اس سے محروم رہ گئے ہیں۔ اب مشکل یہ پڑ گئی کہ یہاں تو یہ لکھا ہے کہ ایمان لانے والے یہودی عیسائی سابعی جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے نیک عمل کرے اس کے لئے بلند ترین درجہ ہے تو مشکل یہاں یہ پڑی کہ یہودی اور عیسائی وغیرہ وہ کیسے اس درجہ پر پہنچ سکتے ہیں جبکہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے بلکہ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں مانتے اور اسلام کے مخالف باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بنی اسرائیل کی تاریخ کے بالکل درمیان میں رکھ دی ہے یہ رکوع اور پچھلے رکوع کا تعلق بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہے کہ کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی وہ ان کی باتیں نہیں مانتے رہے اور بعد میں بھی اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ توڑتے رہے اور درمیان میں یہ آیت ہے۔ اس آیت کو جہاں تک میں پڑھ سکا ہوں تین طرح تشریح ہو چکی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہاں یہودی اور عیسائی سے مراد اور رسول کریم صلعم کے زمانے سے پہلے کے یعنی حضرت موسیٰ کے زمانے کے یا حضرت داؤد کے زمانے کے جو یہودی تھے ان کی نجات ہو سکتی تھی اگر وہ نیک اعمال کرتے۔ اسی طرح جو رسول کریم صلعم کی آمد سے پہلے کے عیسائی تھے ان پر تو صرف یہ لازم تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایمان لائیں تو وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ پہلی تشریح ہے اس سے مراد پہلے زمانے کے یہودی اور عیسائی ہیں لیکن یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ رسول کریم صلعم جب آ گئے ہیں تو وہ ان لوگوں کی نجات باتیں کر رہے ہیں۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ یہاں یہودیوں اور عیسائیوں سے مراد وہ ہیں جو اسلام قبول کرلیں اگر یہ مراد ہے تو پھر علیحدہ یہ کیوں ذکر ہے کہ وہ جو یہودی ہیں اور وہ عیسائی ہیں کیونکہ اسلام قبول کر کے وہ ایمان لانے والوں شامل ہو گئے یہ دوسری تشریح ہے۔ اور ایک تیسری تشریح جو بہت عجیب وغریب ہے۔ یہ آیت جو سورۃ آل عمران میں ہے ”جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دین کی تلاش کرے گا اسے قبول نہیں کیا جائے گا“ اس کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب میں اس کی وہ تفسیر بیان کرتا ہوں جو ہمارے نزدیک درست ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دین اسلام اصولوں کا دین ہے اور یہ تعصب سے بلند ہے یہ بلند نظریہ اختیار کرتا ہے۔ اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اصول بتائے ہیں راستہ بتایا ہے کہ کونسا راستہ ہے کہ جسے آپ نجات کہہ لیں آپ جنت میں جانا کہہ لیں اللہ تعالیٰ سے قبولیت حاصل کرنا کہہ لیں۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان جس کا مطلب صرف ایمان نہیں ہے کہ ایک آخرت ہوگی بلکہ یہ کہ ہمارے اعمال کے حساب کتاب پر ایمان جو کہیں غائب نہیں ہوں گئے بلکہ ایک دن ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔

اور تیسرا اصول نیک اعمال کرنا یعنی عمل صالح۔ اس لئے یہاں یہ بتایا کہ جو ان اصولوں پر عمل کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب ہوگا۔ اب ہم یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم مسلمان ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ

طریقہ اختیار کرتا ہے کہ وہ وجہ بتاتا ہے کہ کیوں مسلمان ہونے سے تمہاری نجات ہوگی وہ صرف ان اصولوں پر ہوسکتی ہے۔ اس لئے یہاں یہ فرمایا کہ اے لوگو تم چاہے مسلمان ہو چاہے تم نام کے مسلمان ہو چاہے تم یہودی، چاہے تم جو بھی ہو اصول یہی ہیں جن پر چل کر اللہ تعالیٰ تمہیں قبول کرے گا۔ اب یہ بات علیحدہ ہے کہ ان اصولوں کو کامل طور پر پانا اور ان پر قائم رہنا وہ دین اسلام کی تعلیم اور رسول کریم صلعم کے نمونے ذریعہ ہی آپ پا سکتے ہیں اور یہ اصول اپنے خالص رنگ میں دین اسلام میں ہی ملتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہی اصولوں کے مطابق آپ اپنے آپ کو جو مرضی کہتے رہیں کہ میں مسلمان ہوں عیسائی کہتے رہیں میں عیسائی ہوں جب تک ان کے مطابق آپ زندگی نہیں گذاریں گے تو آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اب یہودی اور عیسائی وغیرہ گو وہ ان چیزوں کو تو مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے وہ آخرت کو بھی مانتے ہیں بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض رنگ میں وہ ہم سے بھی آگے نکل جاتے ہیں کئی قسم کے نیک اعمال کرنے میں۔ وہ ان سب کو مانتے ہیں لیکن انہوں نے ان کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا ہے اور ایک طرح بلندی سے گرا دیا ہے۔ تو یہ خواہشات جن کا میں نے ذکر کیا ہے قرآن کریم میں اس کے لئے لفظ ہے امانی اور یہ دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ امانی کا مطلب اردو میں آپ من مانی میں سے نہیں کر سکتے لیکن امانی کا مطلب ہے وہ جو آپ کی دل کی خواہش ہے۔ تو انہوں نے اپنی دل کی خواہشات کے مطابق ان اصولوں کو ڈھال لیا ہے جس کا میں ذکر کرتا ہوں۔ عیسائی کہتے ہیں بلکہ ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس بات پر ایمان لے آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے گناہوں کے بوجھ کو لے کر صلیب پر چڑھ گئے اور انہوں نے جان دے دی اور ان سب کو جو ایمان لائے ہیں ان کو کبھی سزا نہیں مل سکتی۔ یہ ہے ان کا بنیادی عقیدہ اور وہ مانتے ہیں کہ ایسا شخص نجات یافتہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس کا یہ عقیدہ ہوا گر وہ اس حقیقت پر قائم رہے تو آخرت پر تو اس کا ایمان بے معنی ہے کیونکہ وہ تو اس دنیا میں ہی مان رہا ہے کہ مجھے کبھی سزا نہیں مل سکتی میرے گناہوں کی سزا تو حضرت عیسیٰؑ نے لے لی ہے تو پھر نیک اعمال کرنے کی بھی ترغیب نہ دیں۔ اور اگر آپ یہودیوں کو لیں وہ مانتے ہیں کہ جو انسان یہودیوں میں پیدا ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ شاید آپ کو علم ہو اور آپ حیران بھی ہوں گے کہ جو لوگ قوم یہود کہلاتے ہیں ان میں سب عقائد موجود ہیں لیکن ہیں وہ قوم یہود میں شامل۔ بقول ان کے جو انسان یہود میں پیدا ہو گیا وہ تو نجات پا جائے گا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی قوم سمجھتے ہیں۔ چاہے قوم میں اپنے مذہب پر نہ بھی عمل کریں ان کے اعمال پر کئی دفعہ ان کا اثر ہوتا ہے۔ تو اسلام نے یہ بلند نظری اختیار کی کہ لوگوں کی توجہ صرف اصولوں کی طرف دلائی یہ نہیں کہا کہ محض نام کا مسلمان ہو جائے یا کہے کہ میرا مذہب اسلام ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل معاف ہو گیا۔ اس لئے اس کے ساتھ یہ فرمایا کہ اے نام کے مسلمانو، اے یہودیو، اے عیسائیو، اے دیگر مذاہب کے لوگو ان تینوں اصولوں کو تو تم مانتے ہی ہو اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مانتے ہو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ان پر قائم ہو جاؤ خالص اور حقیقی رنگ میں نہ کہ اپنی سفلی خواہشات کے مطابق تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں کہ جو دینی تعلیم ہوتی ہے اس کو بڑی حکمت سے بتانا ہوتا ہے۔ اس لئے گو یہ درست ہے کہ اسلام صحیح اور سچا مذہب ہے اور ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اے لوگو مسلمان ہو جاؤ لیکن اس کے بیان کرنے کا طریقہ بعض دفعہ پر فرق ہوتا ہے ایسا نہ ہو کہ آپ اسے متنفر کر دیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بجائے یہ کہنے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ان اصولوں کو ذکر کیا ہے کیونکہ کوئی کسی کو کہے کہ تم میرے مذہب میں داخل ہو جاؤ، میرا مذہب سب سے بہتر ہے، آپ کا کیا خیال ہے اس شخص پر کیا اثر ہوگا آیا اس کی توجہ اس طرف ہوگی کہ وہ آپ کا مذہب پڑھے۔ وہ تو یہ ہی سمجھے گا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا مذہب سب سے اعلیٰ ہے اور مجھے کہہ رہا ہے کہ میرا مذہب اختیار کر لو۔ اس لئے قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ حکمت اور موعظۃ الحسنۃ سے دعوت دینا بغیر لوگوں کو متنفر کیے ہوئے۔

اب دوسری آیت کا میں نے جو ذکر کیا تھا جب ہم نے کہیں یہ شائع کیا کہ اسلام تعصب سے بلند ہے رواداری کا مذہب ہے تو ایک انگریز جو کچھ حد تک قرآن پڑھا ہوا تھا اس نے کہا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ لکھا ہوا کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے یا تلاش کرے تو وہ قبول نہیں ہوگا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس سے اختلاف ہے تو اس کا جواب ہم نے یہ دیا کہ آپ اس سے پچھلی آیت پڑھیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ

تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جو اسلام کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں آیت اس طرح شروع ہوتی ہے ’’کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو ہمارے پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم سے پہلے اتارا گیا آگے۔۔۔اور ہم مسلمان ہیں۔ میں نے اس آدمی کو کہا کہ اگر پچھلی آیت صرف اتنی ہوتی کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو ہمارے پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اس لئے ہم مسلمان ہیں اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب اختیار کرے وہ خسارے میں رہے گا تو پھر تمہارا اعتراض ٹھیک ہوگا لیکن میں نے بیچ میں یہ عبارت صرف اسلئے چھوڑی ہے کہ میں دیکھوں کہ تمہارا اعتراض کی کیا بنیادی بات ہے کہ اس آیت میں صرف یہ نہیں لکھا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہمارے پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے بلکہ وہاں تو آگے لمبا چوڑا لکھا ہے۔ یہاں لکھا ہے ہم اس پر ایمان لائے جو ہمارے پر نازل ہوا جو ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل اور موسیٰ اور عیسیٰ کو اور انبیاء کو دیا گیا ہے، ہم ان میں فرق نہیں کرتے اور یہ ہم مسلمان میں جو فرق اور تفریق نہیں کرتے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اس اسلام کو جو نہ قبول کرے وہ خسارے میں رہے گا۔ اس لئے ہم یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے انبیاء کو مانتے ہیں، ہم ان میں تفریق نہیں کرتے یعنی وہ اسی طرح اللہ کے سچے نبی تھے اسی طرح ان پر وحی نازل ہوئی جیسے نبی کریم صلعم پر۔ ہم ان میں فرق نہیں کرتے۔ فرق تو تم کرتے ہو تو جو فرق کرے وہ قبول نہیں ہے۔ اب میں آپ کو تفصیلاً بتاتا ہوں کہ وہ کیا فرق کرتے ہیں کہ جو یہودی ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول کریم صلعم کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھتے ہیں اور مانتے نہیں ہیں اور فرق وہ اس طرح کرتے ہیں کہ جس معیار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابرہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی ثابت ہوتے ہیں اسی معیار سے حضرت عیسی علیہ السلام اور رسول کریم بھی نبی ثابت ہوتے ہیں۔ بنی اسماعیل کے اپنے معیار سے ان کی اپنی پیشگوئیوں سے۔ لیکن وہ یہ فرق کرتے ہیں کہتے ہیں نعوذ باللہ رسول کریم صادق نہیں ہیں اور عیسائی جو ہیں وہ اور بھی تفریق کرتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبیوں سے بڑھا کے خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف حضرت عیسیٰؑ ہی زندگی میں گناہ سے پاک تھے۔ اب یہ عقیدہ جب انہوں نے اختیار کیا کہ صرف حضرت عیسیٰؑ ہی خدا کے بیٹے اور زندگی میں گناہوں سے پاک تھے تو بدقسمتی سے انہیں دوسرے انبیاء کی عیب شماری کرنی پڑی۔ یہ دکھانے کے لئے کہ فلاں فلاں نے تو یہ کیا تھا کہ ابرہیم علیہ السلام نے تو جھوٹ بولا تھا نعوذ باللہ اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے جو بچھڑا بنا دیا تھا جو سونے کا تھا بنی اسرائیل اس کی پرستش کرتے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ بائبل میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے جو قابل قبول نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے مسلمان مفسرین کیا کہتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بائبل میں لکھا ہے کہ انہیں کسی جرنیل کی بیوی پسند آگئی تو انہوں نے اس جرنیل کو کسی جنگ میں ایسی جگہ مقرر کر دیا جہاں یقینی تھا کہ وہ مارا جائے گا وہ بیچارہ چلا گیا تو نعوذ باللہ انہوں نے اس کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر لئے۔ اور وہ جرنیل مارا بھی گیا تھا تو انہوں نے شادی کر لی۔ اب ہمارے مفسرین جو ہیں ان کے مطابق یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے زنا کیا ہو انہوں نے کہا نہیں واقعی انہیں بیوی پسند آگئی تھی لیکن انہوں نے زنا نہیں کیا تھا بلکہ بعد میں شادی کر لی تھی۔ یعنی آپ سوچیں کہ ہمارے مفسرین یہ قبول کر لیتے ہیں کہ واقعی انہوں نے کسی جرنیل کی بیوی کو پسند کیا تھا بلکہ یہ تو ساری بات ہی غلط ہے کیونکہ یہ ایک نبی کے شایاں شان ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اس طرح سوچے بھی۔

اگر آپ پہلی آیت دیکھیں تو وہاں عیسائیوں اور یہودیوں کا مثبت پہلو بیان کیا گیا ہے وہاں کہا گیا ہے تم اللہ اور یوم آخرت کو مانتے ہو تو تمہارے لئے یہ چیلنج ہے کہ دیکھو کہ تمہارے اپنے مذہب میں اس کا زیادہ قابل قبول تصور پایا جاتا ہے یا اسلام میں۔ یہ مثبت پہلو اس لئے آپ سمجھیں کہ ان کی تعریف کی گئی ہے۔ ادھر ان کا منفی پہلو ہے کہ وہ تفریق کرتے ہیں انبیاء میں اور اس تفریق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تو اس لئے یہاں ان پر تنقید کر کے یہ کہا کہ جو اسلام کے علاوہ دین اور راستہ اختیار کرے اسے قبول نہیں کیا جائیگا۔ اس طرح ان دونوں آیات میں جو کہا گیا تھا کہ تضاد ہے ہم نے اس کا حل پیش کر دیا۔

تو یہ تو تھا میرے خطبہ کا اصل پہلو۔ لیکن حال ہی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہار دہم کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ پڑھ رہا تھا جس کا نام ہے ’’التبلیغ‘‘ جو انہوں نے عربی میں لکھی۔ عامر عزیز صاحب اور قاضی عبد الاحد صاحب جن کو عربی پر عبور ہے ان کا مقام تو بہت بلند ہے ہمارے لئے۔ انہوں نے اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ ہمیشہ دیکھیں گے کہ حضرت مرزا

صاحب کی جتنی بھی تحریر پڑھ لیں۔ آپ سمجھیں گے کہ انہوں نے جو لکھا ہے وہ میں پڑھ چکا ہوں۔ اس لئے میں نے بھی یہ پڑھنی شروع کردی۔ تو وہ چیزیں جن کا میرے ذہن میں خیال بھی نہیں تھا نئی سے نئی وہ میں نے پڑھ کر حاصل کی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کی توجہ اس کی طرف دلاؤں۔ ماڈرن زمانے کے لوگ اس کو بہت پسند کریں گے جیسے حضرت مرزا صاحب نے بیان کیا ہے کہ نئی جو ایجادات ہو رہی ہیں انہوں نے حیرت انگیز طور پر اس دنیا کو بدل دیا ہے۔ اور دنیا کو انہوں نے اکٹھا کر دیا ہے اور لوگوں کے لئے آرام اور آسائش کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ اب آپ سوچیں کہ حضرت صاحب نے یہ 1892 میں آج سے ایک سو اٹھارہ سال پہلے اور وہ بھی قادیان جیسے گاؤں میں بیٹھ کے یہ لکھا اس وقت وہاں پر کیا آسائشیں ہوں گی کوئی بھی نہیں۔ اس میں اہم چیز یہ ہے، اس کتاب میں اس طرح لکھا ہے جیسے اس زمانے میں کوئی لکھے۔ آپ اس میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لوگ کافروں کی بنائی ہوئی چیزیں جن سے فائدہ اٹھائیں ان کو تو فوراً قبول کر لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تعلیم جو میں لے کر آیا ہوں اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ اس جدید دور کی نئی چیزوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ ”پس آج لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک بلاخوف وخطر آتے جاتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکوں کے دوسرے ملکوں سے تعلقات بڑھ گئے ہیں لوگوں کی ایک دوسرے سے پہچان ہوگئی ہے اور ہر دن وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تاجر کو تاجروں سے ملا دیا ہے ایک سرحد کے لوگوں کو دوسری کے لوگوں سے باہم ملا دیا ہے ایک ہنرمند کو دوسرے ہنرمند سے ملا دیا ہے“۔ ہم دیکھیں تو انٹرنیشنل کانفرنسز ہوتی ہیں وہ ملتے ہیں ایک اہل ہنر کو دوسرے ہنرمند سے ملا دیا وہ تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں پس لوگ ہر نعمت خوشی لباس اور کھانے کے موقع پر تعاون کرتے ہیں دیکھو کیسے لوگ آپس میں ملا دیئے گئے گویا وہ ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں“۔ ہم نے آج سے بیس تیس سال پہلے بھی یہ نہیں سنا تھا کہ ساری دنیا ایک ہو جائے گی۔ دیہات میں بیٹھے ہوئے آپ نے اس دور میں بیان کیا ہے کہ گویا سب ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو پھر آگے خطوط کے متعلق لکھتے ہیں: کہ ”اس کے اسباب میں ایک سبب خطوط ہیں جو کہ عمدہ طریق سے ارسال کیے جاتے ہیں پس دیکھو وہ کس طرح وہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک بھیجے جاتے ہیں اگر تو گہرائی کی نظر سے دیکھے تو ان خطوط کے ارسال کی کثرت تجھے حیرت میں ڈال دے گی“، تو آج اپنا ای میل چیک کریں تو آپ دیکھیں گے اتنی زیادہ ای میل ہمیں توجہ میں ڈال دیتی ہیں۔ ”اسی طرح تجھے تاجروں اور مسافروں کی کثرت حیرت میں ڈال دیتی ہے اور لوگوں کو آپس میں ملانے اور تعارف کے وسائل جواب ہیں اس سے پہلے ان کے آثار نہیں پائے جاتے تھے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بتاؤ کیا تم نے اس سے قبل اس کی مانند پہلے دیکھا“ اسی طرح ایک جگہ آپ لکھتے ہیں ”تم ہر مہینے اور ہر سال کے اندر نئی نئی ایجادات کو دیکھتے ہو جو تمہاری آنکھوں نے اس کی نسبت پہلے نہیں دیکھا“ اب یہ چیز آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہر مہینے اور ہر سال نئی نئی چیزیں آرہی ہیں۔ مرزا صاحب کے زمانے میں تو اتنا نہیں ہوگا۔ ”اور ان میں سے بعض تمہاری معیشت میں تمہاری مدد کرتی ہے اور تمہیں جان کی تنگی سے بچاتی ہے“ پھر انہوں نے آگے مثالیں بھی دی ہوئی ہیں پھر کہتے ہیں کہ ”فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے وہ رب کریم ہے۔ جس نے تمہیں زمین کے تمام خزانے عطا کیے تو پھر تم آسمان سے نازل ہونے والے نادر خزانوں سے کیوں دوری اختیار کرتے ہو۔ تم اپنی دنیا سے خوش ہوتے ہو جو چند دنوں کے لئے ہے اور اپنی آخرت کی طرف نہیں دیکھتے تعجب ہے تم پر کہ تم جدید صنعتوں سے بنائی ہوئی چیزوں کو جو تمہارے جسموں کے لئے مفید ہیں ان کے استعمال سے کراہت نہیں کرتے لیکن جب تمہیں اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کی طرف بلایا جاتا ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط کیا تو تم اس کو عجیب وغریب جانتے ہو“۔

آگے چل کر وہ اپنی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں یعنی دیکھو ایک طرف تمہارے اللہ نے سامان پیدا کیے تمہاری زندگی کے لئے تو وہ کافروں بلکہ تمہارے دشمنوں نے ہی ایجاد کی ہیں لیکن تم بھاگ ان کو استعمال کرتے ہو لیکن اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مجدد کے ذریعہ جو نئی تشریحات بھیجی ہیں اس پر تم اٹھ اٹھ کر اعتراض کرتے ہو کہ اس شخص نے یہ لکھ دیا۔ تو یہ سارا پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ذہن میں کیا کیا چیزیں تھیں کیسا آپ کا روشن دماغ تھا ایک گاؤں میں آپ نے سب چیزیں دیکھ لیں اور آپ کو علم بھی ہو گیا کہ یہ چلتی جائیں گی۔ اس لئے اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا مشن مجدد کے طور پر وہ اتنا ہی کارآمد اب ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے جتنا کہ جب آپ اس دنیا میں آئے اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔

انگریزی سے ترجمہ: اطہر رسول

امیر جماعت سوئم، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم و مغفور

ہمارے شفیق رہنما اور ایک درخشندہ مثال

از ڈاکٹر زاہد عزیز، انگلستان

''جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا'' (القرآن ۵۷:۱۷)

اس خراج تحسین کے لئے میں نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کا انتخاب اس بناء پر مناسب خیال کیا ہے کیونکہ ہمارے دور میں مرحوم حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ذریعہ ہی تحریک احمدیہ، لاہور میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور جماعت کو اپنی کارکردگی، فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک دفعہ پھر ادراک ہوا۔

جب ہم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مرحوم کے بارے میں اپنی یادوں اور مشاہدات پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ امر قطعی طور پر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ اس نوعیت کے مواد پر مبنی مضمون میں مضمون نگار سے متعلق کئی ایک ذاتی حوالہ جات کا ذکر بھی آ جاتا ہے اور اس ذکر میں محض مرحوم کے ایک شاہد، شکر گذار اور احسان مند ہونے کے ناطے سے تاثرات اور واقعات کا بیان فطری امر ہے۔ اس مضمون کا حقیقی مقصد مرحوم حضرت امیر کی عظیم الشان خوبیوں، کردار اور کارناموں پر روشنی ڈالنا ہے۔

یہ امر میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں مرحوم حضرت امیر صاحب کے بارے میں ذاتی تاثرات قلمبند کروں کیونکہ تحریر کا یہ عمل مجھے آپ کی وفات کی حقیقت کا سامنا کرنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس موقع پر صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ میری تسکین کا باعث بنتے ہیں۔ جب بھی حضرت امیر مرحوم کے کسی عزیز کی وفات پر ہم ان سے تعزیت کرتے تو آپ بے مثال صبر اور خدا کی رضا کے سامنے سر جھکانے کا مظاہرہ کرتے اور ہمیں بھی خدا کے لکھے کو قبول کرنے کی تلقین فرماتے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۵ء کے موسم گرما میں آپ کے دورہ انگلستان کے دوران میں ہوئی۔ یہ دورہ ان دورہ جات میں سے ایک تھا جو آپ نے جماعت احمدیہ، لاہور کو پاکستان سے باہر قائم کرنے اور مستقل بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے کئے۔ آپ کا نام ہمارے خاندان میں نہ صرف آپ کی جماعت کے ساتھ طویل مدت کی وابستگی اور ممتاز حیثیت کی بناء پر جانا جاتا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ آپ نے میری رشتے کی دادی جان کا ۱۹۴۴ء میں پھیپھڑوں کا علاج کیا تھا جب وہ آپ کے زیر اہتمام معروف ڈاڈر ٹی بی سینیٹوریم میں زیر علاج تھیں۔

۱۹۷۵ء میں مذکورہ ملاقات کے بعد اگلے ۲۱ برس تک مجھے اپنے کام کے سلسلے میں آپ کی دانشمندانہ راہنمائی، مشوروں اور حوصلہ افزائی سے مستفید ہونے کا خصوصی امتیاز اور سعادت حاصل رہی۔

تحریک کے لئے کئے گئے اس کام کی توفیق کے لئے میں ہمیشہ اللہ کا شکر گذار ہوں گا۔ ہر کسی کو کام کرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ آپ کے ماتحت نہیں ساتھ کام کر رہا ہو۔ کیونکہ آپ کا ہر فرد کے ساتھ سلوک دوستانہ اور مساویانہ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب ۱۹۷۴ء کے موسم گرما میں احمدیوں کے خلاف پرتشدد ہنگاموں کے بعد حکومت پاکستان نے احمدیوں کو اپنی تاریخ کے شدید ترین دھچکے سے دوچار کر دیا تھا۔ ہمارے احباب کو پاکستان کے مذہبی راہنماؤں کی جانب سے تحریک احمدیہ کا ساتھ نہ چھوڑنے کی صورت میں جان و مال کے نقصان اور معاشرتی مقاطعہ کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ فطری طور پر ہم سب جماعت کے مستقبل کے بارے میں اندیشوں، غیر یقینی اور شکوک و شبہات کا شکار تھے۔ ان حالات میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی جانب سے سچائی کے نصب العین کے حصول اور تمام مشکلات اور خطرات کا ذاتی طور پر مضبوط کردار اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرنے سے ہمیں نہ صرف بے پناہ تقویت حاصل ہوئی بلکہ تحریک پر ہمارا ایمان مزید پختہ ہو گیا۔

انہی دنوں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ نے اس جماعت کے خاتمے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر ہم اسے بچانے کے لئے جو کچھ چاہیں کر لیں ہم اسے نہیں بچا سکتے۔ مگر میرا خیال نہیں ہے کہ اللہ نے اس جماعت کے خاتمے کا ارادہ کیا ہے۔'' بالفاظ دیگر اگر اللہ اس جماعت کی بقاء چاہتا ہے تو اس جماعت کو کوئی طاقت بھی کچل نہیں سکتی۔ بعد کے حالات نے یہ بات بالکل سچ ثابت کر دی کہ اللہ نے اس جماعت کو محفوظ رکھا، اس کی آڑے وقت میں مدد کی اور اسے تقویت پہنچائی۔ وہ افراد جو کہ اس جماعت کے خاتمے کے لئے سرگرداں تھے خود اللہ کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور وہ مطلبی احباب جنہوں نے اس تحریک کو آزمائش کی گھڑی میں خیر باد کہہ دیا تھا، بالاخر مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کر پائے۔

۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک آپ نے ۸۱ اور ۸۳ کے علاوہ ہر برس انگلستان کا دورہ کیا اور وہاں کئی ہفتے قیام کیا۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا مگر یہ دورہ دل کی تکلیف کی بناء پر منسوخ کرنا پڑا۔ انگلستان سے آپ دیگر ممالک میں موجود شاخوں کا دورہ کیا کرتے تھے جن میں ہالینڈ، جزائر غرب الہند، سرینام، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی شامل ہیں۔ انگلستان میں آپ جماعت کے ارکان سے ملاقات کے لئے لندن سے باہر بریڈفورڈ اور مانچسٹر تک سفر کیا کرتے تھے۔ آپ نے یہ تمام تھکا دینے والی مسافتیں اس وقت طے کیں جب آپ ۷۵ سے ۸۵ برس کی عمر کے درمیان تھے۔

جب بھی آپ انگلستان میں ہوتے یا دیگر ممالک کا دورہ کرتے تو آپ جماعت کے ہر رکن سے ملاقات کرتے جس سے ملنا ممکن ہوتا تا کہ ان کی تحریک کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ ان تمام ملاقاتوں کے لئے اکثر اوقات آپ نہایت معمولی اور غیر آرام دہ ذرائع آمدورفت، جیسے بس وغیرہ کو استعمال کیا کرتے تھے اور نہایت معمولی درجے کی اور غریبانہ رہائش بھی اختیار کر لیتے تھے۔ میں نے آپ کو ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور اپنے ذاتی آرام کا خیال کئے بغیر ان کے خستہ حال گھروں میں رہتے ہوئے دیکھا ہے جو کہ شمالی انگلستان کے گندے اور تاریک صنعتی علاقے میں واقع تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ مذکورہ حالات میں وہاں قیام پذیر تھے تو آپ کے میزبان نے معذرت خواہانہ لہجے میں آپ سے عرض کی: ''مجھے افسوس ہے کہ جہاں میں رہائش پذیر ہوں، یہ کوئی خوشگوار مقام نہیں،'' جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں یہاں لوگوں سے ملنے آیا ہوں، میرے لئے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ وہ خوشگوار ہوں۔''

آپ کے ساتھ سفر کے دوران بعض مواقع پر میں نے خدائی ہاتھ کی معاونت کو محسوس کیا۔ ہمارے سفر کے دوران نہایت غیر متوقع باتیں ہوئیں جنہوں نے ہمیں تکالیف سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ ۱۹۷۹ء میں جب ہم کار پر کسی شخص سے ملنے جا رہے تھے تو میری ناقص راہنمائی کے باعث ہم غلط موڑ مڑ گئے اور قطعی اتفاقی طور پر ہم اس شخص کے بھائی کے گھر کے سامنے سے گزرے جو کہ ہماری منزل سے چند گلیاں ہٹ کر تھا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جب ہم وہاں سے گزر رہے تھے تو اس کے بھائی، اپنے گھر کے باہر ہی کھڑے تھے۔ ہم ان سے بات کرنے رک گئے۔ ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے بھائی جس سے ہم ملاقات کرنے جا رہے تھے۔ وہ ہسپتال میں داخل تھے۔ لہذا ان کے گھر جانا ایک بے کار سفر ہوتا۔ بعد ازاں ہم اس شخص کی عیادت کے لئے ہسپتال چلے گئے۔

۱۹۸۶ء سے قبل ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے انگلستان کے دورہ جات کے دوران ایک ایسا دور تھا جب انگلستان میں جماعت کئی ایک مسائل سے دوچار تھی جو کہ ظاہراً ناقابل حل دکھائی دیتے تھے۔ آپ ہمارے لئے تقویت اور ہمت افزائی کا سرچشمہ تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں عید جیسی تقریبات بھی لندن کے مختلف مقامات پر کرائے کی عمارات میں منعقد کروانی پڑیں۔ ان مواقع پر اگر آپ انگلستان میں موجود ہوتے تو شرکت کے لئے ضرور تشریف لاتے۔

اس وقت انگلستان کی جماعت کو ایک مرکز کی شدید ضرورت تھی اور انہوں نے عمارت خریدنے کے لئے تقریباً پانچ ہزار پاؤنڈ اکٹھے کر لئے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں دورہ انگلستان کے دوران ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ہمیں مطلع فرمایا کہ آپ امریکہ کے آئندہ دورے کے دوران وہاں سے اس عمارت کے لئے مزید پانچ ہزار پاؤنڈ اکٹھے کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب آپ نے امریکہ کے احباب جماعت کے ایک اجلاس میں اس سلسلے میں اپیل کی تو اللہ نے احباب کے دل اس قدر کھول دیئے کہ توقع سے چار گنا زیادہ رقم اکٹھی ہوگئی۔ جب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک تھکا دینے والے سفر کے بعد اس فنڈ سمیت لندن پہنچے تو آپ نے رقم جمع کروانے کی خاطر ایئرپورٹ سے فوراً بینک کا رخ کیا۔

اسی بناء پر ۱۹۸۲ء میں ویمبلے کے علاقہ میں ہماری توقعات سے بڑھ کر وسیع عمارت خرید لی گئی ۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اسی برس اس عمارت کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے ۔ (انٹرنیٹ کے ہمارے عالمگیر صفحات پر ایک تصویر پیش کی گئی ہے جس میں اس مذکورہ موقع پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو خطبہ کی شکل میں اس عمارت کی افتتاحی تقریر کرتے دکھایا گیا ہے)۔

مجھے اس خصوصی اجتماع میں ایک نہایت مفید نصیحت یاد ہے جو آپ نے کسی دوسری تقریر میں کی تھی ۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اگر آپ لوگ علی الصبح بیدار ہو جائیں تو نماز کے بعد کا وقت مذہبی مطالعہ اور کام کرنے کے لئے نہایت مناسب ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس وقت آپ اپنی روز مرہ کی دنیاوی مصروفیات میں نہیں الجھے ہوتے اور یہ پرسکون وقت نہایت تعمیری ثابت ہو سکتا ہے ۔''

فی الحال میں نے محض ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے انگلستان کے دورہ جات کی یادوں کا ہی ذکر کیا ہے ۔ جماعت احمدیہ لاہور، کے لاہور میں منعقد ہونے والے کئی سالانہ جلسوں میں جن میں میں نے شرکت کی، مجھے آپ کو مشاہدہ کرنے، آپ کے ہمراہ کافی دیر تک وقت گذارنے اور کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ اس دوران میں کئی ایسے واقعات مجھے یاد ہیں جو کہ نہایت روح پرور حیثیت کے حامل ہیں۔

۱۹۷۶ء کے اوائل میں، جب میں نے آپ سے درخواست کی کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا ''درحقیقت وہ شخص جس کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرتے ہیں، روحانی لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے پر ہونے چاہیے جو کہ میں نہیں ہوں''

اس پر میں نے کہا: ''مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ ہیں ۔'' یہ سنتے ہی آپ پر عاجزی اور اللہ کے خوف سے کپکپی طاری ہوگئی اور آپ نے استغفر اللہ کہا۔

جب آپ سالانہ جلسہ کے موقع پر آکر جلسہ گاہ میں تشریف رکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جلسہ کی حرمت اور تقدیس میں کئی درجہ اضافہ ہو گیا ہے ۔ ہم آپ کے افتتاحی اور اختتامی خطبات کے بے چینی سے منتظر رہتے تھے ۔ خاص طور پر ہر جلسہ کے اختتام پر آپ کا اختتامی خطبہ دلوں کو پگھلا دینے والا اور روح کو مصفا کر دینے والا ہوتا تھا۔ اس اثر کو الفاظ میں مناسب طور پر بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اسے دماغ میں دوبارہ دوہرایا جا سکتا ہے بلکہ اسے صرف اس موقع پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اختتامی دعا، جس میں دوسرے لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر شامل ہوتے، آپ کی اللہ کے حضور عاجزانہ گڑگڑاہٹ، ہر آنکھ سے اس طرح آنسو بہا دیتی تھی کہ وہ دلوں کی گہرائی سے نکلتے ہوئے محسوس ہوتے اور ہمیں یونہی احساس ہوتا جیسے ہم اللہ کے حضور بذات خود حاضر ہو کر دعا کر رہے ہیں ۔

۱۹۹۴ء کے سالانہ دعائیہ کے ایک ایسے ہی اختتامی اجلاس کا ہی شاہد ہوں (جو کہ آپ کی زندگی کے آخری جلسوں میں سے تھا) اس موقع پر قوت تحریک اور روحانی طاقت کا شاندار مشاہدہ کرنے کو ملا۔ آپ کا اختتامی خطبہ اور دعا حتیٰ کہ آپ کی موجودگی اس وقت انتہائی متاثر کرنے والی تھی اور جب آپ جلسہ گاہ میں لوگوں کے درمیان سے سلام کرتے ہوئے گزر رہے تھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں اصل حاضرین سے کہیں زیادہ ایک عظیم جم غفیر موجود ہے ۔ بعد ازاں بذات خود اس بات کا ذکر کیا کہ انہوں نے مذکورہ موقع پر ایک غیر معمولی روحانی کیفیت محسوس کی تھی ۔

اگرچہ مذہبی روایات کو مشکوک نظر سے دیکھنے والے اور دنیاوی ذہنیت کے حامل لوگ اس بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کر سکتے ہیں ایک مقدس ہستی کے گرد ہی قائم ہو سکتا ہے۔ جس میں فرشتے حاضرین کے دلوں کو تقویت پہنچانے کے لئے نازل ہوتے ہیں ۔ اگر ہمارے دور میں کبھی فرشتوں کو اہل ایمان کی تقویت کے لئے آسمان سے نازل ہوتے محسوس کرنے کا موقع ملا ہے تو ایسا ہمارے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جیسے بزرگوں کے ذریعہ ہی ممکن ہوا ہے ۔

لاہور میں مجھے آپ کی جس خوبی کے مشاہدے اور اس سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا ہر ایک سے ملنا، مہمان نوازی اور غیر رسمی رویہ تھا۔ جو بھی چاہتا آپ سے کسی بھی وقت مل سکتا تھا اور بلا تکلف جا کر آپ کے پاس بیٹھ کر بات کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی بیماری کے آخری تین برس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، سوائے اس وقت کہ جب آپ کو زیادہ آرام کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ آپ مہمان کی تواضع کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لانے کو کہتے اور نہایت شفقت سے ہمارے سامنے رکھتے ۔ بعض دفعہ آپ بذات خود پھلوں کے چھلکے اتارتے اور پھل ہماری پلیٹ میں رکھ دیتے ۔ آپ کا یہ مشفقانہ رویہ مجھے بعض اوقات مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا کہ جب آپ ہم سے رخصت ہو جائیں گے تب ہم آپ کی کمی کتنی محسوس کریں گے؟ ہم نے اسلام کے

حقیقی روحانی راہنماؤں میں ایسی خوبیوں کی موجودگی کے بارے میں پڑھ اور سن رکھا تھا کہ وہ تنہائی اور مصنوعی نمود ونمائش پر مبنی زندگی (جو کہ موجودہ مفاد پرست مذہبی راہنماؤں میں عام ہے) کی بجائے اپنے پیروکاروں کے ساتھ مشفقانہ انداز میں گھل مل کر بیٹھتے۔ ان کے کام آتے اور ان کے آرام کا خیال رکھتے اور ان کا خوش دلی سے استقبال کرتے اور یہ سب کچھ میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے دیکھا۔

آپ نہایت سادہ اور دیندار زندگی بسر کرنے پر یقین رکھتے تھے اور اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ ہم اپنی روز مرہ زندگی میں اسلام کی تعلیمات، آنحضرت محمدؐ کے اسوہ حسنہ اور تحریک احمدیہ کے عظیم مردوں اور خواتین کے نمونوں پر عمل پیرا ہوں۔ لہذا مذہبی فرائض کی ادائیگی کے علاوہ معاشرتی معاملات میں بھی آپ ان بے کار تفصیلات پر مبنی تقریبات، رسم و رواج اور تکلف کے سخت خلاف تھے جو کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں مروج ہیں۔ چونکہ ہمارے مرحوم راہنما نے ان بے بنیاد رسم و رواج اور تقریبات (جن میں اکثر شادی اور مرگ سے متعلق ہوتی ہیں) کو مسترد کر کے ہمارے لئے درخشاں مثال قائم کی ہے تو اب ہم سب پر لازم ہے کہ ایسی بے حقیقت باتوں کو اپنی زندگی سے نکال باہر کریں ورنہ ہم اپنی تحریک سے باہر کے مسلمانوں کو کس طرح اس بارے میں تبلیغ کر سکتے ہیں؟

میں آپ کی قیادت کے دو مزید پہلوؤں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن سے ہماری تحریک بے انتہا مستفید ہوئی ہے اور جو ہمارے لئے ایک نمونہ ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کے وہ ان تھک سفر ہیں جو آپ نے مرکز اور اس کی شاخوں کے درمیان رابطے کو تقویت دینے کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں کئے۔ آپ کے ان ذاتی سطح کے رابطوں نے دنیا بھر میں تحریک میں ایک نہایت بیش قیمت اور مستحکم رشتہ قائم کرنے میں مدد دی۔ آپ جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں جماعت کے ہر معمولی رکن سے بھی ملاقات کی۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ اپنی مضبوط یاداشت کی بناء پر آپ دوسروں کی بتائی ہوئی تمام ذاتی تفصیلات بھی یاد رکھتے تھے اور اگر آپ کسی شخص سے دوبارہ ملاقات کرتے تو اسے یہ بات بتانے کی ضرورت پیش نہیں ہوتی تھی کہ وہ کون ہے۔ یا کوئی اور بات جو اس شخص نے اپنی پہلی ملاقات کے دوران آپ کو بتائی ہو۔ اگرچہ یہ سب کچھ غیر معمولی معلوم ہوتا ہے مگر یونہی محسوس ہوتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہر فرد کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔

دوسرا پہلو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ان افراد کے لئے عزت قدر اور حوصلہ افزائی ہے جو جماعت کے لئے مخلصانہ اور بے لوث انداز میں کام کرتے ہیں۔ آپ انہیں جماعت میں آگے لانے کے لئے مشتاق رہتے تھے اور انہیں ذمہ دار حیثیت پر مقرر کرتے تھے تا کہ جماعت ان کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔ اگر کوئی شخص مخلص اور باصلاحیت ہوتا تو آپ اس کے پس منظر، عمر، حیثیت، خاندان کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ صلاحیتوں کی پہچان کر لیتے اور ان کی ترقی کے لئے حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک تھے جن کا نہ صرف ایک حقیقی مسلمان راہنما میں بلکہ کسی بھی تحریک کے انتظامی سربراہ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی اور اللہ کی خاص نعمت تھی کہ ایسی ہستی ہم میں موجود تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہماری جماعت نے آپ کو راہنما منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے ہمارے نصب العین کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور اپنے دل و دماغ کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس کے لئے وقف کر دیا۔ جب سے میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس جماعت کی ترقی کے لئے ہی وقف کیا۔

آپ ہم سب کے لئے تقویت اور تحفظ کا سر چشمہ تھے۔ قرآن کریم کی ایک تمثیل کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہمارے لئے ایک مضبوط درخت کی مانند تھے جس کی گہری مستحکم جڑیں اور بلند شاخیں ہوتی ہیں۔ اور جس کے سائے تلے ہم نے ایک عرصہ تک محفوظ اور آرام دہ پناہ حاصل کی۔ آپ اس وقت اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے جبکہ ہم اس احساس کے ساتھ پرسکون نیند سوئے ہوتے تھے کہ آپ موجود ہیں۔ اب جبکہ آپ نے اپنا فرض پورا کر کے ہمارے لئے نمونہ قائم کر دیا اور رخصت ہو گئے ہیں تو ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر آن پڑی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

''سب جو اس کے اوپر ہیں، فنا ہونے والے ہیں اور تیرے رب کی ذات باقی رہتی ہے جو جلال اور عزت والا ہے'' (القرآن ۲۶:۳۵، ۲۷)۔

سوانح حیات حضرت مولانا صدر الدین۔ امیر جماعت احمدیہ، لاہور

از: محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ (ایم۔اے)

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب ’’فتح اسلام‘‘ میں فرماتے ہیں (صفحہ نمبر 33)

’’اس جگہ میں اس بات کے اظہار اور اس کا شکر ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ میرے ساتھ تعلق اخوت پکڑنے والے اور اس سلسلہ میں داخل ہونے والے جس کو اس نے خود اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے، محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں۔ نہ میں نے اپنی محنت سے، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں، مجھے عطا کی ہیں۔‘‘

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت امام الزماں کی بعثت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے انقلاب آور اور تاریخ ساز وجود عطا کئے جنہوں نے خدمت دین، اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعت دین کے لئے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ احیائے دین کی تاریخ ان کے سنہری کارناموں سے مزین ہے۔ یہ باصفا لوگ حضرت مولانا نور الدین، حضرت مولانا محمد علی، حضرت مولانا محمد احسن امروہی، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت مولانا صدر الدین، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد کے علاوہ بہت پاک وجودوں میں نظر آتے ہیں۔

اس وقت مجھے حضرت مولانا صدر الدین کے سوانح حیات کی ایک جھلک دکھانی مقصود ہے۔ جماعت کے بزرگوں نے انہیں قریب سے دیکھا۔ ان کے لیکچر سنے، ان کے درس قرآن کے حقائق و معارف فرقانیہ سے اپنے ایمان و ایقان کو بڑھایا، مگر ہماری نوجوان نسل اس خادم دین کے حالات سے بے خبر ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اس عظیم شاگرد کے کارناموں اور عالمانہ زندگی کے کچھ واقعات کو بیان کرنا ضروری ہے، اس لئے بھی کہ وہ اسلاف سے آگاہ ہوں اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے من جانب اللہ ہونے اور ان کے کمالات کا اندازہ ان پھلوں سے کر سکیں جو ان کے شاگردوں کی صورت میں گلشن اسلام میں پھلے اور پھولے۔ کیونکہ درخت اپنے پھلوں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا صدر الدین صاحب 1881ء میں سیالکوٹ شہر کے ایک معزز ککے زئی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ وہ بابرکت شہر ہے جہاں پر ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے بھرپور جوانی میں اپنی زندگی کے چار سال گذارے (1864ء سے 1868ء تک) اور نہایت نیک شہرت حاصل کی۔ ان کی پرہیزگاری نے سیالکوٹ کی بے شمار سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچا اور ان سعید روحوں کی بدولت مزید سعید روحیں پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت مولانا صدر الدین کو امام وقت کے حضور مولانا عبدالکریم سیالکوٹی نے پیش کیا اور آپ کے وجود کو اپنی خاص کمائی بتایا۔ یہ 1905ء کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جبکہ آپ کی عمر ابھی 24 سال تھی۔

حضرت مولانا کی خود نوشت ’’چند ناقابل فراموش یادیں‘‘ سے کچھ اقتباسات پیش کرتی ہوں۔ آپ لکھتے ہیں ’’میں نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہ دینی تھا۔ گھر میں قرآن شریف کی تعلیم کا التزام تھا۔ چنانچہ میں بڑا ہوا تو مجھے بھی قرآن کی تعلیم دی جانے لگی۔ میں مڈل تک بلا ترجمہ قرآن ذوق وشوق سے پڑھتا رہا جن دنوں تھرڈ مڈل میں تھا، حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی کے درس قرآن کا شہر بھر میں شہرہ تھا۔ آپ مسجد حسام الدین میں درس دیتے تھے۔ میں 3، 4 سال تک حضرت مولانا کے درس میں باقاعدہ شریک ہوتا رہا۔ آپ درس کے دوران حضرت مرزا صاحب کے متعلق گفتگو فرماتے۔ آپ کا طرز بیان مسحور کن تھا۔ چنانچہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا انہی دنوں کامل یقین ہو گیا۔ اس تمام عرصہ میں والدین نے اشارہ کنائے میں بھی درس میں شرکت سے نہ روکا اور نہ ہی

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی برلن اور ہالینڈ کے دورہ جات کی تصویری جھلکیاں

یورپ کے نمائندے عبدالصمد سنو صاحب اور برلن مشن کے نگران یاسر عزیز صاحب حضرت امیر ایدہ اللہ کا استقبال کرتے ہوئے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ برلن مسجد میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ اور عبدالصمد سنتو صاحب ایک جرمن مہمان کے ساتھ اسلام کے موضوع پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ جرمن مہمانوں کے ساتھ (سامنے میز پر پیغام صلح پڑا ہوا ہے)

چار خواتین جو ہالینڈ سے خصوصی جمعہ کی تقریب میں شرکت کے لئے آئیں۔

یورپ کے نمائندے عبدالصمد سنتو صاحب اور برلن مشن کے نگران یاسر عزیز صاحب حضرت امیر ایدہ اللہ اہم جماعتی امور پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے خوشگوار ماحول میں۔

یوٹرخت (Utrecht) میں چھ جماعتوں کے مشترکہ استقبالیہ جلسہ سے حضرت امیر ایدہ اللہ خطاب کرتے ہوئے۔

یوٹرخت (Utrecht) میں یورپ کے نمائندے عبدالصمد سنتو صاحب استقبالیہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے۔

یوٹرخت (Utrecht) میں مختلف جماعتوں کے نمائندے خطاب کررہے ہیں۔

یوٹرخت (Utrecht) جلسہ میں موجود شرکاء کا منظر

یوٹرخت (Utrecht) بورڈ کے ساتھ حضرت امیر ایدہ اللہ کے تبادلہ خیال کا منظر

ڈاٹرڈیم میں حضرت امیر ایدہ اللہ رمضان کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ راٹرڈیم میں احباب سے بیعت لے رہے ہیں۔

بیگم رگو حضرت امیر ایدہ اللہ کو اپنے والد مولانا جگو اور حضرت امیر ایدہ اللہ کے والد ڈاکٹر سعید احمد خان کی تصویر پیش کر رہی ہیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کو مولانا محمد علیؒ کا ڈچ زبان میں قرآن کریم کا تحفہ پیش کیا جا رہا ہے۔
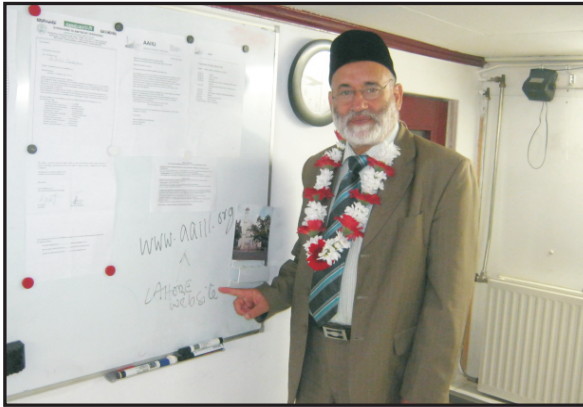
حضرت امیر ایدہ اللہ انجمن کی ویب سائیٹ کا ایڈریس بورڈ پر نمایاں کرتے ہوئے۔

حضرت صاحب کی صداقت کا اقرار کرنے سے منع کیا۔ محلّہ میں ہماری خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ کوئی شخص مجھ پر کوئی اعتراض کرسکتا۔ مولانا موصوف اکثر حضرت مرزا صاحب اور مولانا نورالدین کا ذکر کرتے رہتے اور اس طرح ان دو کی عظمت کا نقش میرے دل میں قائم ہوگیا۔

بی اے کرنے کے بعد میں ٹریننگ کالج میں ایس اے وی کلاس میں داخل ہوگیا۔ پھر بی ٹی کیا، تکمیل کے بعد کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز رہا اور کچھ عرصہ ٹریننگ کالج میں انگلش کا پروفیسر رہا۔ حضرت مرزا صاحب کے وصال کے بعد حضرت مولانا نورالدین نے ایک وفد بھیجا کہ میں ملازمت چھوڑ کر قادیان خدمت عالی میں حاضر ہو جاؤں۔

وفد میں حضرت مولانا محمد علی، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، حضرت ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب شامل تھے۔ میں ان کے کہنے پر قادیان جانے کے لئے رضامند ہوگیا۔ پھر وفد نے گورنمنٹ سے درخواست کی مجھے قادیان جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ میں قادیان چلا آیا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کا فریضہ مجھے سونپا گیا۔ انہی ایام میں مولانا محمد علی تفسیر قرآن میں مصروف تھے۔ چنانچہ انجمن کی اجازت سے وہ سیکرٹری کے عہدے سے علیحدہ ہوگئے۔ اور یہ ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ قادیان میں میرا قیام پانچ سال رہا''

مولانا صدرالدین کے والد ایک بڑے تاجر تھے۔ وہ کلکتہ میں ریشمی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ اہل خانہ دیندار تھے۔ اس لئے مولانا شروع سے ہی باجماعت نماز کے پابند تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ نے آپ کو بلا کر پوچھا کہ اگر کسی گھر میں آگ لگ جائے اور تم نماز کے لئے جا رہے ہو تو خدا کی عبادت کو ترجیح دو گے یا آگ بجھانے میں لگ جاؤ گے تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ میں پہلے آگ بجھاؤں گا اور پھر نماز پڑھوں گا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو شاباش دی اور کہا کہ اب تو نماز کی حقیقت کو سمجھ گیا ہے جا اور نماز ادا کر۔

1914ء میں مولانا نورالدین کی وفات پر جب جماعت میں اختلاف رونما ہوا تو مولانا صدرالدین صاحب اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ لاہور آگئے۔ آپ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بانی ممبران میں سے تھے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں آپ کی ہیڈ ماسٹری کا دور اس سکول کی تاریخ کا ایک زرین باب تھا۔ حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جو کہ حضرت مولانا صدرالدین کے شاگردوں میں سے تھے فرماتے ہیں: ''آپ سکول کے تمام عملہ اور طلباء کی صرف دینوی تربیت کا ہی اہتمام ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ سکول سے ملحقہ مسجد نور میں پانچوں نمازیں بڑی باقاعدگی سے ادا کی جاتیں اور عصر کے وقت مولانا نور الدین کے درس قرآن میں شامل ہونے کے لئے طلباء قطار باندھ کر آتے تھے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت اور اس طرح کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اور علامہ اقبال جیسے انسان نے بھی اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کی بجائے قادیان کے سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد میرے ہم جماعت تھے۔ اس تربیت کا ایک ناقابل فراموش نظارہ کھیل کے میدان میں بھی دیکھنے کو ملا۔ ایک بار کھیلوں کا مقابلہ امرتسر میں منعقد ہوا۔ اسے سرکل کی کھیلوں کا مقابلہ کہتے تھے۔ بہت سے سکول شریک تھے۔ ہاکی کا آخری مقابلہ قادیان سکول اور خالصہ سکول امرتسر کے درمیان ہوا۔ ہماری ہاکی کی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وسل بجی تو ہمارے کھلاڑی جہاں کہیں بھی میدان میں تھے، سب کے سب سجدہ شکر میں گر گئے، تماشائیوں پر اس منظر کا گہرا اثر ہوا۔

1917ء کو انجمن نے مسلم ہائی سکول قائم کیا تو مولانا کو اس کا پرنسپل بنایا گیا کیونکہ آپ نے قادیان میں جو کام کیا تھا اس کے پیش نظر آپ سے موزوں کوئی آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی زیرنگرانی سکول اس قدر نیک نام ہوا کہ معزز ترین گھرانوں کے لڑکے چیفس کالج کو چھوڑ کر یہاں آ کر داخل ہوئے اس سکول کے نظم وضبط اور اعلیٰ تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سکولز مسٹر کراس نے جو اس سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آئے تھے۔ یہ ریمارکس دئے "I come here to surprise the school, but find myself surprised" یعنی میں تو سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آیا تھا لیکن اسے دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا۔

1919ء میں حضرت مولانا صدر الدین ووکنگ مشن میں کام کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے ۔1922ء میں انجمن نے برلن جرمنی میں تبلیغِ اسلام کے لئے مشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو مولانا کو وہاں بھیج دیا گیا۔ آپ 3، 4 سال تک وہاں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیتے رہے۔ وہاں آپ نے جرمن زبان میں ایک رسالہ ''مسلمش ریویو'' جاری کیا۔ جس کے اعلیٰ پائے کے مضامین کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے عالم فاضل جرمن اسلام لے آئے۔ جرمنی میں قیام کے دوران آپ نے برلن میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی جو فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ اور برلن کا زیور ہے۔ یہ مسجد آپ کی نفاست طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ اور یادگار ہے ۔1928ء میں انجمن نے قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کرانے کا فیصلہ کیا تو اس عظیم خدمت کا بھی آپ ہی نے اہتمام کیا۔

اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے آپ کی جرات و بے باکی اور حق گوئی و دیانت کے کئی واقعات ہیں۔

جرمن ترجمۃ القرآن 1938ء میں شائع ہوا۔ ایک سال کے اندر اندر دوسری جنگ عظیم کے شعلے اٹھنے شروع ہو گئے۔ جنگ کے آغاز سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے ترجمہ و تفسیر کی کاپی خوبصورت جلد بندی کروا کر جرمنی کے حکمران ہٹلر کو بھیجی۔ اور اس کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا۔ جس میں لکھا تھا۔ آپ عصر حاضر کے ایک بہت بڑے انسان ہیں میں آپ کو خیر الانام کا دیا ہوا پیغام مطالعہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جو ہمارے عظیم ترین راہنما تھے۔ اس کتاب میں بنی نوع انسان کی فلاح، حریت اور مساوات کے لئے جو پیغام ہے وہ راہنمایان عالم کے لئے مشعل راہ ہے ۔ ہٹلر ان دنوں یورپ کے لئے ایک ہوا تھا جابر اور مطلق العنان آمر تھا۔ اس کے سامنے کلمہ حق کہنا یقیناً زبردست قوت ایمانی کا اظہار ہے۔

ایک بار حضرت مولانا صابرمتی جہاں گاندھی جی کا کیمپ تھا ان سے ملاقات کے لئے گئے۔ گاندھی جی نے ان دنوں ملک میں ہجرت کی تحریک چلائی ہوئی تھی۔ مولانا نے گاندھی جی سے کہا کہ ہمارے رسولؐ نے بھی خدا کے حکم سے ہجرت کی لیکن تیرہ سال دشمنوں کے اندر بیٹھے رہے۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی ایذائیں اور مصائب سہتے رہے حتیٰ کہ آپؐ نے سب ساتھیوں کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ اور خود سب سے آخر میں ہجرت کی اور آپ ہیں کہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر مصائب میں ڈال کر خود آ کر دریا کے کنارے بیٹھ گئے ہیں۔ جواباً گاندھی جی نے کھڑے ہو کر کہا ''محمدؐ تو بہت بڑے انسان تھے۔ میں ان کو سلام کرتا ہوں''۔

آپ کے قیام انگلستان کے دوران اسلامیہ کالج پشاور کی مجلس انتظامیہ نے کالج کے پرنسپل کی اسامی پُر کرنے کے لئے ملکی اور برطانوی اخبارات میں ایک اشتہار دیا۔ چند ایک درخواستیں لندن سے بھی موصول ہوئیں۔ انٹرویو کے لئے امیدواروں کو وہاں سے بلانے پر کافی خرچ اٹھتا تھا۔ کالج کی مجلس انتظامیہ نے آپ کو لکھا کہ ہم نے انگلستان کے امیدواروں کو ہدایات بھجوا دیں ہیں کہ وہ آپ کے سامنے پیش ہوں۔ آپ مہربانی کر کے ان کے انٹرویو کر کے ہمارے پاس سفارش بھجوا دیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامیہ کالج کی انتظامیہ کو آپ کی قابلیت، امانت اور دیانتداری پر کلی اعتماد تھا۔

حضرت مولانا نہ صرف حدیث کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ ایک خوش بیان مقرر بھی تھے۔ آنحضرتؐ کی سیرت پر جب آپ بولتے اور حضورؐ کے واقعات اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے تو سامعین پر ایک سحر طاری ہو جاتا۔ سیرت نبویؐ آپ کا خاص موضوع تھا۔

حضرت مولانا محمد علیؒ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مولوی صدر الدین کو سیرت نبویؐ پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ ان کا ہی حصہ ہے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ بلڈنگس میں ہر سال جو آپ درس قرآن دیا کرتے تھے۔ وہ بڑے پُر اثر اور دلوں میں اتر جانے والے ہوتے تھے۔

آپ کا طرزِ تبلیغ بھی بڑا نرالہ تھا۔ ایک دفعہ دو مولوی احمدیہ بلڈنگس مسجد میں آئے اور آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ مرزا صاحب کو مانتے ہیں۔ آپ نے کہا نہیں۔ سوال کو دوہرایا گیا جواب نہیں میں تھا۔ مجلس میں خاموشی چھا گئی اور بعض قلوب میں وسوسہ بھی پیدا ہوا۔ کچھ وقت خاموشی کے بعد آپ مولوی صاحبان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے میں محمدؐ کا ہر حکم سر آنکھوں پر سمجھتا ہوں۔ چونکہ آپؐ نے فرمایا ہے جب مسیح موعودؑ آئے تو اس کا ساتھ دینا۔ اس کے بعد آپ نے آنے والے امام اور مسیح موعودؑ کی وہ علامات بتائیں جو رسول پاکؐ نے بیان فرمائی ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ آپ درس قرآن سے فارغ ہو کر جانے لگے تو ایک غیر احمدی شخص نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ کی تو نماز ہی نہیں ہوئی۔ فرمایا کیوں کیا ہوا۔ اس نے کہا آپ کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے۔ آپ فرمانے لگے حضورؐ کے وقت بھی ایک شخص کی نماز نہیں ہوئی تھی اور جب اعتراض کرنے والے نے رسول پاکؐ کے پاس شکایت کی کہ ابوبکر کی تو نماز نہیں ہوئی کیونکہ اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے تو رسول پاکؐ نے جواب دیا کہ ابوبکر میں تکبر نہیں اور یوں مسئلہ سمجھا دیا۔

ایک دفعہ آپ انگلستان سے کامیاب تبلیغی دورہ کے بعد واپس وطن آئے تو لاہور میں آپ کی دعوت ملک غلام محمد (جو بعد میں پاکستان کے گورنر جنرل بنے) نے کی۔ دعوت میں لاہور کے اکابرین شامل تھے اور آپ کو آپ کی کامیاب تبلیغی کوششوں پر جو اخبارات میں چھپتی تھیں خراج تحسین پیش کر رہے تھے کہ اقبال نے سوال کیا کہ حضرت آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ اسلام کی خوبیوں سے خوب باخبر آپ کو آخر قادیان جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت مولانا نے فوراً برجستہ جواب دیا اقبال! تم نے اپنا بیٹا قادیان پڑھنے کے لئے کیوں بھیجا؟ سیالکوٹ نہ سہی، لاہور، دہلی اور علی گڑھ کیوں نہ بھیج دیا؟

جن دنوں حضرت مولانا برلن مسجد کے امام اور مبلغ تھے۔ ترک اکابرین کا مسجد میں آنا جانا رہتا تھا۔ امیر شکیب ایک مشہور ترک راہنما تھے وہ اپنے علم و فعل میں بھی یکتا تھے۔ لیکن بدقسمتی سے حضرت مجدد وقت کے بارہ میں ترکی میں ہندوستانی مولوں کے مخالفانہ پراپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اب کی دفعہ جو برلن آئے تو غم و غصہ سے بھرے ہوئے برلن مسجد میں پہنچ گئے اور حضرت مولانا سے تند و تیز لہجہ میں کہا کہ مجھ پر اب تمہاری حقیقت ظاہر ہو گئی ہے۔ مرزا صاحب نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں میں اس کے تیور بھانپ گیا۔ میں نے انہیں احترام سے بٹھایا اور ان سے گفتگو شروع کی۔ وہ عربی جانتے تھے میں اپنے کمرے سے حمامۃ البشریٰ اور آئینہ کمالات اسلام اٹھا لایا۔ اور ان کی عربی عبارات امیر شکیب کو پڑھائیں۔ جوں جوں وہ عربی عبارات پڑھتا جاتا اس کے چہرے سے غم و غصہ اور برہمی دور ہوتی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے اعتراف کیا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ اصل عبارت پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ لوگ صحیح ہیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ حضرت مولانا کا اور بھی احترام کرنے لگا۔ اور ان کی عقیدت میں فرق نہ آیا۔

سر آغا خان سوئم بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت تھے۔ حضرت مولانا کی امامت کے دنوں میں وہ اکثر ووکنگ مشن اور برلن مسجد میں آیا کرتے تھے اور مولانا کے اخلاق حسنہ علم و فضل اور خدمت دین سے از حد تک متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام آپ کے نام پر صدر الدین رکھا۔ سلسلہ اسماعیلیہ میں یہ نام کسی اور فرد کا نہیں۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ یوں ہے کہ جن دنوں حضرت مولانا جرمنی میں تبلیغ اسلام کے جہاد میں مصروف تھے۔ خطبات، تقاریر اور تحریر کے علاوہ آپ اسلام کا پیغام انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ بھی پہنچاتے تھے اور شرفاء، رؤسا، علماء اور فضلاء کے گھروں میں جا کر بھی فریضہ تبلیغ ادا کیا کرتے تھے۔ بیرن عمر اور ڈاکٹر منصور ایسی ہی کوششوں کے ذریعہ اسلام کی آغوش میں آئے تھے۔ برلن کا ایک گھرانہ بھی آپ کے زیر تبلیغ تھا۔ وہ لوگ آپ کی پاک بازی، حسن سیرت اور اخلاق سے بڑے متاثر تھے لیکن باوجود کوشش کے اس گھرانے کے قبول اسلام کے آثار نظر نہ آئے۔ مگر مولانا مایوس نہ ہوئے اور مسلسل دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا وطن واپسی کا پروگرام بن گیا۔ حضرت مولانا کی واپسی کے سفر کی تاریخ سے دو روز قبل اس فیملی نے آپ کے اعزاز میں الوداعی دعوت کا اہتمام کیا۔ میزبان فیملی کی خاتون تقریر کے لئے کھڑی ہوئی۔ مولانا کے حسن اخلاق، شفقت اور مروت کا ذکر کیا اور کہا کہ حضرت مولانا کے ہمارے گھر سے بڑے گہرے روابط ہیں ان کی محبت و شفقت ہمیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ انہوں نے ہمیں بڑی عمدہ عمدہ باتیں بتائیں ہیں۔ اور پھر گرانقدر تحائف بھی وقتاً فوقتاً ہمیں دیتے رہے ہیں۔ اب مولانا ہم سے جدا ہو کر اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ ہم بڑے دنوں سے سوچ رہے تھے کہ آپ کو کیا تحفہ دیا جائے چونکہ ہم دیرینہ تعلقات کی بنا پر مولانا کے ذوق سلیم اور مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لئے جس تحفے کا بھی خیال آیا ہم اسے ان کے شایان شان نہ پایا۔ آخر ہم اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت مولانا کے لئے ہماری طرف سے موزوں ترین تحفہ ہمارا قبول اسلام ہے اور آج ہم مولانا

کے ہاتھ پر رسول عربیؐ کے دامان رحمت میں پناہ لینے کا اعلان کرتے ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

محترمہ شرمین جمیل صاحبہ دختر شیخ میاں فاروق احمد صاحب نے بتایا کہ ایک بار مولانا ہمارے گھر راولپنڈی میں تشریف فرما تھے۔ تو امی نے مولانا سے شکایتاً کہا مجھے میاں صاحب کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ امی نے کہا کہ میں حج کی خواہش مند ہوں مگر یہ نہیں مانتے۔ اس پر اباجان نے کہا کہ اگر مولانا ہمارے ساتھ چلیں تو مجھے اس سفر میں دگنی خوشی ہوگی۔ اس پر حضرت مولانا نے برملا کہا کہ اس صورت میں میری بھی ایک شرط ہوگی وہ یہ کہ حج کے اخراجات میرے اپنے ہوں گے۔ ورنہ میں آپ کے ساتھ جانے کو تیار نہیں۔ بہر حال 1966ء میں مولانا کا یہ مبارک سفر میرے والدین کے ہمراہ ہوا مگر ان کی بیان کردہ شرائط پر کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی پر کوئی بار نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

حضرت مولانا کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ تبلیغ اسلام اور قرآن کی اشاعت میں صرف ہوا۔ آپ نے قرآن کریم اور اسلام کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ بنی نوع انسان کے لئے آخری اور مکمل ہدایت قرآن کریم کی عملی تفسیر، سیرت پیغمبر خاتم ہے۔ مولانا کی تصانیف کا موضوع کچھ بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے محامد اور اسوہ حسنہ، بے اختیار قلم سے ابل پڑتے ہیں۔ غلبہ قرآن فضائل القرآن، قرآن اور سائنس، ضرورت حدیث، جمہوریت اسلام اور آنحضرتؐ زمانہ حال کے پیغمبر، اقوام عالم کے پیغمبر ہیں کا مطالعہ میرے قول کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیرت نبویؐ کے علاوہ تعلیم اسلام پر آپ نے سینکڑوں لیکچر، ہزاروں خطبات دیئے ہوں گے۔ ہر لیکچر اور خطبہ میں اچھوتے اور نکتہ آفرین خیالات ہیں۔ تحریر و تقریر کا اسلوب و انداز دلنشین ہے۔ تقریر اردو میں کر رہے ہوں تو ایک آدھ پنجابی جملہ بے ساختگی سے ادا ہو جاتا۔ جس سے سامعین بڑے محظوظ ہوتے۔

اکتوبر 1951ء میں حضرت مولانا محمد علی کی وفات پر جماعت نے بالاتفاق رائے آپ کو امیر جماعت چن لیا۔ اور تیس سال کا یہ دور جماعت کی توسیع و استحکام کے لئے خصوصیت کا حامل رہا۔ حضرت مسیح موعودؑ سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے تھے ان میں سے کئی وعدوں کو دنیا نے آپ کے دور امامت میں پورا ہوتے ہوئے دیکھا۔ مالی لحاظ سے احمدیہ انجمن کے وسائل میں توقع سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ افریقہ، لندن، جزائر عرب الہند شمالی اور جنوبی امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرق بعید اور ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ نئی جماعتیں وجود میں آئیں بلکہ ان علاقوں میں رسائل و جرائد کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ وہ جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا الہام اور ان سے وعدہ الہیہ ہے کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' دور دراز سے لوگ تیرے پاس آئیں گے'' یا دور دراز سے تیرے پاس دینی اغراض و مقاصد کے لئے مال و زر آئے گا۔ اس کو حرف بحرف پورا ہوتا حضرت مولانا کے دور امامت میں دیکھا گیا۔ امریکہ سے امام وارث محمدؒ کی قیادت میں بلالی مسلمانوں کا وفد اور نامور باکسر محمد علی کلے کے نمائندے نہ صرف خود مولانا کی زیارت کے لئے لاہور آئے بلکہ گرانقدر نذرانہ بھی اشاعت اسلام کے لئے لائے اور آپ سے مل کر بے حد متاثر ہوئے۔

حضرت مولانا ایک واعظ اور مصنف ہی نہیں تھے بلکہ ایک کامیاب قائد بھی تھے۔ اسلامی جمہوریت پر آپ کو غیر متزلزل یقین تھا۔ انجمن کی مجلس معتمدین، منتظمہ و عامہ میں شوریٰ اور رائے عامہ کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ جماعت میں اتحاد کے علمبردار تھے۔ اختلاف رائے کے اس حد تک روادار تھے کہ وہ جماعت کے مفاد اور بہتری میں ہو۔ ایک مہربان ہمدرد، منتظم، شفیق و غمگسار، بزرگ، بے نفس اور بے لوث معمار قوم اور باعمل عالم تھے۔

حضرت مولانا کے ذوق تعمیر کے سلسلہ میں احمدیہ مارکیٹ نمبر 1 اور 2 کے منصوبے بھی قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں عظیم عمارتوں کا نقشہ بھی آپ نے خود اپنی نگرانی میں بنوایا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کی تعمیر کے اخراجات کا بوجھ حضرت مولانا نے انجمن کے خزانہ پر نہیں ڈالا۔ ہمت مرداں مدد خدا ان مارکیٹوں کی تعمیر ہوئی۔ تو اس کمرہ کی حفاظت اور تزئین کا خیال رکھا جس میں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا صاحب کا وصال ہوا تھا۔ یہ کمرہ آج بھی جماعت ہائے ربوہ، لاہور کے اراکین کا مرجع ہے۔ احمدیہ مہمان خانہ کی شاندار عمارت بھی مولانا کی دلچسپی، توجہ اور ذوق تعمیر کی یادگار ہے۔

احمدیہ بلڈنگس سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ 1953ء اور 1974ء میں سلسلہ احمدیہ کے خلاف شدید طوفان اٹھے اور احمدی املاک اور گھروں، مسجدوں اور مکتبوں کو جلانے، لوٹنے اور غارت کرنے کو کار ثواب سمجھا جانے لگا تو بعض

دوستوں نے آپ کو احمد یہ بلڈنگس چھوڑ کر کسی محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا تو آپ نے انہیں حوصلہ دلاتے ہوئے جواب دیا کہ ''ہم یہیں مریں گے اور یہیں جئیں گے۔ اس مقام کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائیں گے۔۔۔۔۔ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اور ان پر آشوب اور پر افتن دنوں میں اپنے خدا کی نصرت اور امامِ وقت حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہوئے احمد یہ بلڈنگس سے باہر قدم نہ نکالا۔

دارالسلام میں رہائشی سکیم شروع ہوئی تو ایک کوٹھی جماعت کے سربراہ کی رہائش کے لئے تیار کی گئی۔ اور حضرت مولانا سے استدعا کی گئی کہ آپ اس پر فضا علاقہ میں منتقل ہو جائیں۔ کیونکہ آپ کی صحت کے لئے کھلی ہوا بہت ضروری ہے۔ احمد یہ بلڈنگس میں صفائی اور حفظان صحت کا وہ سامان نہیں تھا جو عمر کے اس دور میں آپ کے لئے لازمی تھا۔ مولانا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔'' مجھے یہ تنگ و تاریک گلیاں بڑی عزیز ہیں جن میں میرے رفیق خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور حضرت مولانا محمد علی رہائش پذیر تھے۔ اسی آبادی میں میرے گھر سے ملحق وہ مسجد ہے جہاں حضرت امام الزماں، مولانا نور الدین اور مولانا محمد علی نماز پڑھتے تھے اور لوگوں کو واعظ و نصیحت کرتے تھے۔

ہم کو ہیں پیاری، ہماری یہ گلیاں

تحریک احمدیت میں حضرت مولانا صدرالدین کا حصہ اہمیت کے لحاظ سے کسی بھی طرح کم نہیں۔ انگریزی اخبار لائٹ کا اجراء ہو یا پیغام صلح کا ابتدائی دور، انجمن کے تعلیمی میدان میں کارہائے نمایاں ہوں یا انگریزی ترجمۃ القرآن کے پہلے ایڈیشن کی انگلستان میں طباعت و اشاعت، ووکنگ مسلم مشن کی اسلامی خدمات ہوں یا ماہنامہ اسلامک ریویو کی ادارت، جرمن مسلم مشن کا قیام ہو یا برلن مسجد کی تعمیر، انجمن کے لئے زرعی زمینوں کا معاملہ ہو یا احمد یہ بلڈنگس میں مارکیٹوں کی تعمیر، غرضیکہ ہر کام میں مولانا کی ہمت، استقلال، قوت ایمانی، شجاعت، اسلام کے لئے محبت اور آنحضرتؐ کے لئے غیرت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا نے ایک صدی کے قریب عمر پائی۔ دور یشانہ زندگی گذاری۔ آپ نے دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا۔ ایک بھر پور زندگی گذارنے والا، مشکلات کے وقت مردانہ وار مقابلہ کرنے والا عالم باعمل اپنی صد سالہ پاک زندگی گذار کر 14/15 نومبر 1981ء کی درمیانی شب اپنے مولائے حقیقی سے جاملا۔ ''انا اللہ وانا الیہ راجعون''

مختصر یہ کہ مولانا صدرالدین، گو آج ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی اسلامی خدمات نہایت درخشاں ہیں اور احمدی نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی تشخص کو زندہ رکھا جائے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے اکابرین اور بزرگان سلسلہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے رہیں۔ تاکہ اس سے راہنمائی حاصل کرسکیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم ہر سال تربیتی کورس کے دوران ہر روز ایک ایک بزرگ کے حالات زندگی اور خدمات دینی کا ذکر کرتے رہیں تو اس طرح ہم بیشتر بزرگوں کے بارہ میں بچوں کو آگاہ کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے شاگردوں اور آپ کی محبت میں بیٹھ کر فیض پانے والے بزرگوں کے حالات سے آگاہی ہماری روحانی تحریک کے احیاء کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان کے کارنامے اور خدمات دینیہ تاریخ اسلام میں روشن اور درخشاں رہیں گی۔ حضرت مولانا محمد علی کی گرانقدر تصانیف حضرت خواجہ کمال الدین اور حضرت مولانا صدرالدین کے خطبات، لیکچر اور سیرت نبویؐ کی تقاریر آنے والی نسلوں کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہوں گی اور متلاشیان حق ان سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

آخر میں میں اپنے اس مضمون کو اعظم علوی صاحب ک دو اشعار پر ختم کرتی ہوں۔

وہ اک شعلہ نوا، جادو بیاں، مردِ جری جس کو
جماعت میں امیر قوم و صدرالدین کہتے تھے
وہ اک مردِ جری، شعلہ نوائی جس کا خاصہ تھا
ہر اک میدان میں، اس کو شہسوار دین کہتے تھے

☆☆☆☆☆

درس قرآن ۔ ۲

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪

یہ مشہور سورۃ فاتحہ ہے جسے ہر مسلمان زبانی جانتا ہے اور نماز کی ہر رکعت میں پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کو شروع کرتے ہوئے بھی اس سورت کا پڑھا جانا لازمی ہے۔ دوسرے موقعوں پر بھی پڑھی جاتی ہے۔ اور اس لئے میں نے اس کا درس دینا مناسب بلکہ ضروری سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک تو سورۃ فاتحہ اور دوسرے سورۃ البقرہ کا آخری رکوع۔ اور حضور نے سچ فرمایا کیونکہ یہ دونوں حصّے علم و معرفت اور ہدایت کے سمندر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ میں ان سمندروں کی گہرائیوں میں تو نہیں جاؤں گا کیونکہ مجھ سے یہ فرمائش کی گئی تھی کہ یہ سلسلہ درس عام فہم ہو۔ مگر لازماً مجھے ان دونوں رکوعوں کے خصوصاً سورۃ فاتحہ کے درس میں ذرا تفصیل سے جانا ہوگا۔ ورنہ میں اس عظیم الشان سورت کا حق ادا نہ کروں گا۔

سورۃ فاتحہ کے اندر جو علم معرفت اور ہدایت کی موٹی موٹی باتیں ہیں ان کا جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ سورت ہر مسلمان دن رات پڑھتا ہے۔ اور رسول کریم صلعم نے نہ صرف یہ فرمایا کہ کسی اور نبی کو سورۃ فاتحہ جیسی عظیم الشان وحی نہیں دی گئی بلکہ حضورؐ نے سورۃ فاتحہ کو ام الکتب بھی فرمایا یعنی قرآن حکیم کا خلاصہ۔ تو اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ اسے سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ میں اس سورت کے درس کے آخیر میں عرض کروں گا یہ سورت جو دعا کی شکل میں ہے صرف قرآن حکیم کی ابتداء کے طور پر ہی لاجواب نہیں بلکہ انسان کی زندگی کی ہر مشکل میں اس سے بہتر دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بھی اس سورت کے وسیع اور جامع مضمون کو سمجھنا ضروری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اس کی تشریح میں پچھلے درس میں کر چکا ہوں جن لوگوں نے وہ درس نہیں سنا یا پڑھا ان کے فائدہ کے لئے مختصراً عرض کر دوں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب قرآن مجید کی کسی سورت کے شروع میں آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورت جو اپنے اندر ایک علیحدہ مضمون رکھتی ہے۔ اس اللہ کی طرف سے آتی ہے جس کے رحم نے جہاں تمام مخلوق خصوصاً انسان کو اپنی جسمانی زندگی اور ترقی کے لئے تمام ضروری سامان مہیا کئے ہیں، وہاں انسان کی ابدی زندگی کے لئے روح جیسی غیر معمولی اور اعلیٰ نعمت جو ہمیشہ رہنے والی ہے وہ بھی عطا فرمائی اور انسان کی اس ابدی روحانی زندگی، نشو و نما اور ترقیات کے لئے اس قرآن کو نازل فرمایا۔ یہ سب مضمون تو لفظ الرحمٰن میں آ گیا۔ اور الرحیم میں یہ مضمون ہے کہ اگر پڑھنے والا قرآن پر عمل کرے گا تو وہ روحانی اور اخلاقی ترقیات کرے گا اور دنیا اور آخرت کے سکھ کو پائے گا جو انسان کے خاص انعام ہے۔ اور بسم اللہ کے حرف ''ب'' کے دوسرے معنی یہ ہیں جو پڑھنے والے کے حسب حال ہیں کہ میں شروع کرتا ہوں اور مدد مانگتا ہے اس (اللہ) کے نام سے جس کی رحمانیت نے یہ قرآن اتارا کہ اس کی رحیمیت مجھے وہ علم اور فہم قرآن عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق دے جس سے میں ان اعلیٰ مقاصد کو پا سکوں جن کے لئے اس رحمان ذات نے یہ قرآن اتارا۔

اب میں سورۃ فاتحہ کے اپنی طرف آتا ہوں۔ اس سورت کو قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے مگر ان سب مشہور نام الفاتحہ یا فاتحہ الکتاب ہی ہے۔ فاتحہ کے معنے کھولنے والی کے ہیں۔ کھولنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ اس سورت سے قرآن حکیم کی ابتداء ہوتی ہے بلکہ سات آیات کی اس مختصر سورت نے جو علم اور معرفت کو اور ہدایات کی راہ کو دنیا پہ کھول ہے اس کی نظیر نہ اس سے پہلے تھی، نہ کبھی ہوگی۔ اس سورت کی تفسیر پر کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اس کے علوم،

معرفت اور ہدایت کے خزانے ختم ہونے میں نہیں آتے۔ مختصراً چند اہم باتوں کا ذکر کرتا ہوں تا کہ آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے۔ مثلاً یہ کہ اس عظیم الشان کائنات کو جس کا ایک ایک ذرہ یعنے ایٹم بھی عجائبات سے پر ہے کس نے پیدا کیا؟ لازماً انسان جاننا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟ یعنے اس ذات کے نام اور صفات کو جاننا چاہیے گا۔ پھر سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس زبردست کائنات کو پیدا کرنے والا کوئی اور تھا اور چلانے والا کوئی اور ہے یا دونوں کام ایک ہی ذات کر رہی ہے؟ اس ذات پاک نے اس دنیا کو اور اس کی تمام مخلوقات کو کیوں پیدا کیا؟ اس کائنات میں انسان کی پوزیشن کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور انسان کا کیا تعلق ہے؟ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس مقصد کو پانے کے لئے کیا سامان ہیں؟ انسان کو خود کیا کرنا چاہیے تا کہ وہ جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پا سکے؟ دنیا میں مختلف لوگ یا قومیں اپنی اپنی راہ پر چل رہی ہیں۔ ہر شخص کہتا ہے کہ اس کی راہ یا اس کا خیال ٹھیک ہے۔ تو پھر ان مختلف راستوں میں سے سیدھا راستہ کون سا ہے؟ کیسے پتہ لگے کہ وہ راستہ ہی صحیح ہے؟ کیا اس راستہ پر چل کر کسی نے اپنی زندگی کے مقصد کو پالیا؟ اگر اس راستہ کو نہ اختیار کیا جائے تو اس کا انجام کیا ہے؟ آخر قرآن سے پہلے بھی تو الہامی کتابیں تھیں اور بعض قوموں میں تو آج کسی الہامی کا پتہ نہیں چلتا اور لوگ اپنی اپنی راہیں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ تو ان راہوں کا کیا برا انجام ہے؟ ان اہم رازوں پر سے اس مختصر مگر جامع سورت نے ایسا پردہ اٹھایا ہے کہ کوئی انسان نہیں اٹھا سکتا تھا جیسا کہ آپ خود اندازہ لگا لیں گے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الف لام استغراق کا ہے (بمعنی کل کی کل جو ممکن ہو سکتی ہیں) یعنی تمام تعریفیں ہیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں، تمام مخلوقات، تمام قوموں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتی نام ہے جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں جب میں نے بسم اللہ کی تفسیر کی تھی۔ کسی الہامی کتاب کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بتائے کہ اس کا نازل کرنے والا کون ہے اور اس نے کیوں وہ کتاب نازل فرمائی ہے سو قرآن کریم ہی وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے قرآن کے شروع میں ہی فرما دیا یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ میں کہ یہ قرآن جس ذات کی طرف سے آتا ہے اس کا نام اللہ ہے اور اس کے رحم کے جوش نے جہاں انسان کو پیدا کیا وہاں اس کی راہنمائی کے لئے یہ کتاب نازل فرمائی۔ اور اگر انسان اس کی ہدایت پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحیمیت جوش میں آ کر اس دنیا اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں ایسے انسان پر کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتیں عطا فرمائے گی جن میں سب سے بڑی نعمت وہ ہے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا اور جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

دنیا کے موجودہ حالات سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ کمیونزم یعنی اشتراکیت نے ایک طرف اور مادہ پرستی نے دوسری طرف دنیا میں دہریت کو عام کر دیا ہے۔ جب لوگ خدا ہی کو مانتے نہیں تو وہ خدا کے کتاب کو نازل کرنے کو کہاں مانیں گے۔؟ اس سوال کا جواب میں انشاءاللہ سورۃ فاتحہ کے شروع کے الفاظ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے ہی دوں گا۔ مگر اسے سے پہلے میں اتنا عرض کر دوں کہ خدا کی ہستی تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی گواہی، اور ان کے علاوہ لاکھوں کروڑوں اولیاء اللہ اور صالح لوگ جن کی صداقت اور ایمانداری مسلم تھی اور ہے ان کی گواہی، اور پھر تمام الہامی کتابوں کی گواہی ایسی زبردست صداقت ہے کہ اس کا انکار کرنا عقلمند کا کام نہیں۔ عدالتیں تو بڑے سے بڑے جھگڑے کا فیصلہ ایک سچ بولنے والے کی گواہی پر کر دیتی ہیں یہاں تو لاکھوں، کروڑوں راست بازوں کی شہادت موجود ہے کہ خدا ہے جس کو انہوں نے پالیا۔ اور ان کی صداقت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان کی کامل فرمانبرداری کرنے والے بھی خدا کو پالیتے رہے۔

پھر ہر انسان کی عقل اگر وہ اسے استعمال کرے تو اسے بتاتی ہے کہ یہ عظیم الشان اور عجیب وغریب کائنات جس کا یک ایک ذرہ یعنی ایٹم اپنے خالق کی ہستی پر گواہی دے رہا ہے خدا کی ہستی کو روز روشن کی طرح دکھا رہا ہے۔ اسی لئے سائنس جس نے شروع میں دہریت اختیار کی تھی اب یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اس کائنات کا خدا ہے اور وہ ایک ہے کیونکہ تمام کائنات ایک ہی جنس سے بنی ہے اور ایک ہی قانون کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ بالآخر انسان کی اپنی فطرت میں خدا کی ہستی پر گواہی موجود ہے۔ ہر انسان یہاں تک کہ ایک دہریہ بھی مصیبت اور مشکلات میں بے اختیار خدا کو پکار اٹھتا ہے۔

تو پھر خدا کی ہستی سے انکار کیوں اس زمانہ میں عام ہو گیا ہے؟ اس کا جواب میں انشاءاللہ سورۃ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ سے ہی اگلے درس میں دوں گا۔ کیونکہ میرا مقررہ وقت ختم ہو گیا ہے **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم**

☆☆☆☆☆

جماعتی خبریں

انتقال پرملال

احباب وخواتین جماعت کو یہ پڑھ کر دکھ ہوگا کہ محترم شیخ فضل الرحمٰن صاحب (کارکن انجمن) مورخہ 30 نومبر 2010ء بروز منگل قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ ''بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' ۔آپ کی نماز جنازہ میں احباب وخواتین جماعت نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

جامع دارالسلام لاہور میں آپ کی نماز جنازہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی۔تمام احباب خواتین جماعت سے درخواست ہے کہ اپنے اپنے مراکز میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائیں اور مرحوم کی جنت میں بلند درجات کی دعا فرمائیں اور پسماندگان کے لئے صبر وجمیل کی بھی دعا فرمائیں۔

مبارک باد

محترم علیم الدین صاحب (راولپنڈی) کے ہاں 20 نومبر 2010ء کو ایک بچی کی ولادت ہوئی جس کا نام حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے ''مبشرہ علیم'' تجویز فرمایا۔

احباب جماعت علیم الدین صاحب کو اس دعا کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نومولود کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دین کا خادم بنائے (آمین)

(دارالسلام لاہور) محترم جناب عتیق الرحمٰن صاحب (سابقہ کارکن انجمن) کو ادارہ ''پیغام صلح'' دل کی گہرائیوں سے شادی کی مبارک باد پیش کرتا ہے۔

آپ کی شادی خانہ آبادی 27 نومبر 2010ء کو دارالسلام لاہور میں ہوئی۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کا نکاح پڑھایا۔

احباب جماعت عتیق الرحمٰن صاحب کو شادی کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

(دارالسلام ، لاہور) عثمان احمد صاحب (مبلغ جماعت) کا نکاح مورخہ 27 نومبر 2010ء کو جامع دارالسلام میں ہوا۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح پڑھایا۔

احباب جماعت عثمان احمد صاحب کو نکاح کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اپیل دستکاری

ہر سال مرکز میں تنظیم خواتین کے زیر اہتمام نہایت خوبصورت دستکاری کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔ان اشیاء کے فروخت سے ملنی والی رقم دینی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

گذشتہ سال دستکاری کی نمائش میں رکھی گئی اشیاء بہت خوبصورت اور بیش قیمت تھیں۔اس وجہ سے نمائش نہایت کامیاب اور قابل تحسین تھی۔ یہ لائق فخر کامیابی صرف احمدی بہنوں اور بچیوں کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

اس سال بھی آپ سب سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش کو گذشتہ سال سے بڑھ چڑھ کر کامیاب بنائیں۔اس میں خود بھی حصہ لیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں۔

شکریہ
آپ کے تعاون کی منتظر
بشریٰ علوی
سیکرٹری دستکاری خواتین

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح ، دارالسلام ۔۵۔عثمان بلاک ، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

مردِ جری

حضرت مولانا صدرالدین صاحب

وہ اک شعلہ نوا، جادو بیاں، مردِ جری جس کو
جماعت میں امیرِ قوم و صدر الدین کہتے تھے

ہر اک مجلس میں اس کی خوش کلامی جانِ محفل تھی
دعائیں جب وہ دیتا تھا تو سب آمین کہتے تھے

وطن میں اس کے تعلیم و تعلم کا جو چرچا تھا
تو بیرونِ وطن اہلِ خرد تحسین کہتے تھے

بیان سیرت نبویؐ بیان اسوہ حسنہؐ
جو سنتے تھے وہ سر دھنتے تھے اور تحسین کہتے تھے

وہ اک مرد جری شعلہ نوائی جس کا خاصہ تھی
ہر اک میدان میں اس کو شہسوارِ دین کہتے تھے

میسر آ گئی تھی نورِ دین کی ان کو شاگردی
کہا وہ عمر بھر جو کچھ کہ نور الدین کہتے تھے

امامِ وقت کا الہام بھی پورا کیا اس نے
وہ یورپ کے پرندے جن کو سب شاہین کہتے تھے

بالآخر کر لئے بگوش اسلام کے اس نے
جھکے مسجد میں جو تثلیث میں تسکین کہتے تھے

از: محمد اعظم علوی

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام
(جماعت احمدیہ لاہور) کے عقائد

۱۔ ہم اسلام کے پانچوں ارکان توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام ان عقائد و احکام پر ایمان رکھتے ہیں، جو قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ میں درج ہیں، اور جن پر سلفِ صالحین اور اہل سنّت والجماعت کا اجماع ہے۔

۲۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبرائیل کسی شخص پر بھی وحی نبوّت لے کر نازل نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے ختم نبوّت کی مُہر ٹوٹ جاتی ہے۔

۴۔ وحی نبوّت کے منقطع اور مسدود ہونے کے بعد صرف ولایت کا سلسلہ جاری ہے، تاکہ اُمّتِ محمدیہؐ کے ایمان و اخلاق کی آبیاری ہوتی رہے۔

۵۔ اس اُمّت میں حضور نبی کریم صلعم کے ارشاد کے مطابق صرف اولیاء کریم، مجدّدین اور محدّثین آسکتے ہیں، نبی نہیں آسکتے۔

۶۔ اس اُمّت کے مجدّدین میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی چودھویں صدی کے مجدّد ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدّدین آتے رہے ہیں، لیکن حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔

۷۔ ہمارے نزدیک ہر کلمہ گو مُسلمان ہے اور ہم مسلمانوں کے کسی فرقہ کو بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے، ہم آئمہ اربعہ کے علاوہ اہل سنّت والجماعت اور اہل تشیع کے آئمہ اور بزرگوں کا دل سے احترام کرتے ہیں، اور اُن کی خدماتِ اسلامی کے معترف ہیں۔

۸۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ایک تبلیغی ادارہ ہے، جو یورپ و امریکہ، افریقہ اور کئی دیگر ممالک میں اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ اور اعلای کلمتہ اللہ، قرآن مجید کے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم اور ان کی اشاعت کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہیں، اور اسی کام پر ہمیں مجدّد زمان نے لگایا تھا اور یہی آپ کی بعثت کی غرض تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا: ’’یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں بجز خادمِ اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ نہیں۔‘‘

(امیر جماعت احمدیہ لاہور)